اجراء حسب ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ | اپریل ۲۰۲۳ء | شمارہ ۴

تقلیل الاختلاط مع الانام
فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقام
اعتکاف کے فضائل واحکامات (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے
زر سالانہ =/۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

تقلیل الاختلاط مع الانام

فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقام

(اعتکاف کے فضائل واحکامات) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں نماز جمعہ کے بعد تین گھنٹہ پینتالیس منٹ تک بیان ہوا۔ جو آپ نے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے اسے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۵۰ تھی۔ وعظ میں مذکور آیت پر اس سے قبل تین وعظ بیان ہو چکے ہیں۔ تقلیل طعام، تقلیل کلام، تقلیل منام، اب یہ چوتھا وعظ بنام تقلیل اختلاط مع الانام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں وہ چاروں مجاہدات کروائے جو صوفیاء اصلاح نفس کے لیے ساری زندگی کرتے تھے۔ کم کھانا، کم باتیں کرنا، کم سونا، اور کم ملنا جلنا رمضان المبارک میں یہ مجاہدات اس طرح کرائے گئے روزہ سے کم کھانے کا مجاہدہ ہوا تلاوت کلام پاک سے کم بولنے کا مجاہدہ ہوا اور تراویح سے کم سونے کا مجاہدہ ہوا اور اعتکاف سے کم ملنے جلنے کا مجاہدہ ہوگیا۔ اس لیے رمضان المبارک کی عبادات سے مجاہدہ نفس کرادیا گیا ان مواعظ میں حضرت نے تفصیل سے ان مجاہدات کو ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (ضرورت محقق) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (جہلاء کی حکایت) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	جہلاء کی حکایت........	۷
۲.......	تقلید بلا عقل........	۹
۳.......	اندھی تقلید........	۹
۴.......	تقلید بعد از تحقیقات........	۱۰
۵.......	ترجیح عزلت........	۱۱
۶.......	احتیاط از امتیاز........	۱۲
۷.......	انضباط اوقات........	۱۴
۸.......	چندے کا احسان........	۱۴
۹.......	لیکچر میں چندہ........	۱۷
۱۰.......	واعظ کا لباس........	۱۷
۱۱.......	جنٹلمین اور علماء کا چندہ........	۲۰
۱۲.......	چندہ کی ذمہ داری........	۲۱
۱۳.......	وعظ برائے چندہ........	۲۱
۱۴.......	چندے میں احتیاط........	۲۲
۱۵.......	ضرر اختلاط........	۲۳
۱۶.......	گوشہ نشینی کا طریقہ........	۲۴
۱۷.......	شہرت کا نقصان........	۲۴

۱۸.......	حقیقی علماء..	۲۵
۱۹.......	مقصود سلطنت..	۲۷
۲۰.......	شہرت بلا طلب..	۲۸
۲۱......	اختلاط کا عظیم نقصان..	۲۹
۲۲.......	خلوۃ شب..	۳۰
۲۳.......	مثال خلوۃ..	۳۱
۲۴.......	زیارتِ بزرگاں..	۳۲
۲۵.......	آداب عیادت..	۳۶
۲۶.......	اجتماعی تعزیت..	۳۸
۲۷.......	سالک کے لیے تنبیہ..	۳۸
۲۸.......	عظمتِ شیخ..	۴۰
۲۹.......	آداب صحبت..	۴۱
۳۰.......	محاسن اعتکاف..	۴۲
۳۱.......	فضیلت اعتکاف..	۴۴
۳۲.......	خصوصیات اعتکاف..	۴۵
۳۳.......	اہتمام شب قدر..	۴۶
۳۴.......	اخبار الجامعہ..	۴۹

نوٹ: گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (ضرورت محقق) تھا

جہلاء کی حکایت

جیسے کانپور میں مجھ سے ایک یورپ کے رہنے والے صاحب نے ایک عجیب حکایت بیان کی تھی کہ ایک جاہل سنی کہیں غالی شیعہ کی مجلس میں پھنس گیا تھا۔ وہاں ظالموں نے ایک نقل بنارکھی تھی بہت سے پتلے تیار کئے تھے جن میں کسی کا نام امام حسینؓ تھا کسی کا نام امام حسنؓ تھا۔ کسی کا نام حضرت علیؓ تھا۔ ایک پتلہ کا نام حضرت فاطمہ تھا۔ ایک پتلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب تھا اور ایک سب سے بڑا پتلہ تھا۔ نعوذ باللہ وہ خدا کا پتلہ تھا۔ پہلے حضرت حسینؓ کا پتلا لایا گیا اور صدر مجلس جو کہ مجتہد بنا ہوا تھا اس سے پوچھا کہ ان کے واسطے کیا حکم ہے اس نے کہا کہ سارا فساد انہی کا ہے۔ انہوں نے خواہ مخواہ یزید سے بغاوت کی اور اس کی فوج سے مقابلہ کیا اور سارے خاندان اہل بیت کو تباہ و برباد کیا اگر تقیہ کر لیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ لہٰذا ان کی گردن ماردو۔ پھر امام حسن کا پتلہ آیا ان کے واسطے کیا حکم ہے۔ کہا یہی تو بانی فساد ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو خلافت سے معزول کر کے (حضرت) معاویہ کو خلافت سونپ دی جبھی تو یزید کو سلطنت ملی اور اسے خاندان نبوت کے برباد کرنے کا موقع ملا۔ اگر یہ اپنے کو خلافت سے معزول نہ کرتے تو یزید کو یہ موقع کیوں ملتا۔ لہٰذا ان کی بھی گردن مارو پھر حضرت علی کا پتلہ آیا کہ ان کے واسطے کیا حکم ہے کہا ارے سارا بیج فساد انہیں کا بویا ہوا ہے انہوں نے (حضرت) ابوبکر و عمر کا ساتھ دیا اور ان کے زمانہ میں خلافت بلافصل کا دعویٰ نہ کیا۔ جس سے خلافت دوسروں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ تو انہوں نے امیر معاویہ کو شام کا حاکم بنادیا جس کی بدولت حضرت علی سے مقابلہ کی ان کو ہمت ہوئی۔ اگر یہ اول ہی سے خلافت بلافصل کا دعویٰ کرتے تو غیروں کو یہ حوصلہ نہ ہوتا کہ وہ اہل بیت کے مقابلہ میں سر اٹھائیں۔ لہٰذا ان کی بھی گردن ماردو پھر حضرت فاطمہ کا پتلا لایا گیا کہ ان کے واسطے کیا حکم ہے کہا یہ اپنے ابا جان سے دعا کرا کے سب کچھ کرا سکتی تھیں۔ ان کو معلوم تھا کہ حسین شہید ہوں گے پھر بھی انہوں نے دشمنوں کے واسطے بددعا نہ کرائی۔ یہ بھی قصوروار ہیں۔ ان کی بھی گردن ماردو۔ پھر (نعوذ باللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتلہ آیا کہ ان کے واسطے کیا حکم ہے کہا یہی تو سب سے بڑے قصوروار ہیں (نعوذ باللہ) یہ تو خدا تعالیٰ سے کہہ کر سب کچھ کرا سکتے تھے مگر باوجود شہادت حسین کے علم کے انہوں نے کچھ نہ کیا۔ لہٰذا حضور کے پتلہ کے واسطے بھی وہی حکم ہوا جو اوروں کے واسطے ہوا تھا۔ سنی بیچارہ یہ خرافات دیکھ دیکھ کر دل میں پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ حیران تھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ سب کے بعد وہ لمبا پتلا لایا گیا جو نعوذ باللہ خدا کا پتلہ تھا پوچھا ان کے واسطے کیا حکم ہے مجتہد نے کہا ارے یہ تو سب کچھ کر سکتے تھے۔ سارے عالم کے خدا تھے۔ ان کے قبضہ میں تو سب کچھ تھا مگر انہوں نے قصداً امام حسین کو شہید کرایا اور یزید کا ساتھ دیا۔ پھر اس کے لیے بھی وہی حکم ہوا جو اوروں کے واسطے ہوا تھا جب اس پتلہ کی گردن مارنے کو لے چلے تو سنی سے نہ رہا گیا وہ غریب سمجھا کہ سچ مچ یہی خدا ہے اسے فکر ہوئی کہ جب اللہ میاں نہ رہے تو پھر بارش کون دے گا۔ روزی کون دے گا اولاد کون دے گا۔ بس جوش محبت میں اٹھ کر وہ پتلہ شیعہ کے ہاتھ سے چھین یہ جا وہ جا۔ شیعہ لاٹھیاں لے کر اس کے پیچھے دوڑے کہ ہماری مجلس میں یہ غیر کون آ گیا۔ مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ قریب ہی سنیوں کی بستی تھی۔ انہوں نے جو شور سنا باہر نکل آئے اور دیکھا کہ ایک سنی کے مارنے کو شیعہ آ رہے ہیں لوگوں نے سنی کو بچالیا۔ شیعہ بھی سنیوں کی جمعیت دیکھ کر لوٹ گئے۔ اب لوگوں نے اس پردیسی کو تسلی دی کہ تم مطمئن رہو خدا کا شکر کہ اس نے تم کو ان موذیوں سے بچالیا تو وہ کہتا ہے کہ واہ میں نے ہی خدا کو بچالیا وہ مجھے کیا بچاتے۔ میں نہ ہوتا تو شیعہ ان کو بھی مار ڈالتے۔ لوگوں نے کہا توبہ کر توبہ کر کمبخت کیا کہتا ہے تو خدا کو کیا بچاتا اور انہیں کون مار سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ پتلہ جو میں لے کر بھاگا ہوں یہی تو خدا ہے میں نے اسے بچالیا شیعہ اسے مارے ڈالتے تھے۔ لوگوں نے سمجھایا کہ یہ غلاۃ شیعہ کی شرارت تھی یہ سب پتلے ان کے بنائے ہوئے اور گھڑے ہوئے تھے۔ بھلا خدا کا بھی کہیں پتلا ہو سکتا ہے اسے تو کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ وہ ان کے ہاتھوں میں آجائے۔ تب اس کی تسلی ہوئی اور سمجھا کہ یہ جھوٹ موٹ کی نقل تھی۔ اور یہ پتلہ خدا نہیں ہے تو اس بے چارے نے تو محبت ہی میں یہ فعل کیا تھا گو جاہل تھا۔ شاید اس پر مواخذہ نہ ہو اور محبت کی وجہ سے بخش دیا جاوے ایسے ہی کان پور میں محبت کی وجہ سے خدا کی سلامتی گائی جاتی ہے شاید اس پر بھی مواخذہ نہ ہو۔ مگر مولانا پر حیرت تھی کہ عالم ہو کر خدا کو دعا کیسی

دی جاتی ہے اس کے بعد شیخ محقق کی خدمت میں چلے جب یہ شعر پڑھا۔

انچہ ناپید است یارب کم مباد

حاجی صاحب نے فرمایا اے از دل ما۔ بس جان ہی تو پڑ گئی شعر میں ۔ اب معلوم ہوا کہ یہ خدا کو دعا نہیں دی بلکہ اپنے واسطے دعا کی ہے کہ وہ جو ناپیدا ہے خدا کرے وہ ہمارے دل سے کم نہ ہو۔ یعنی اس کی یاد ہمارے دل سے کم نہ ہو۔ واقعی محقق کی ضرورت قدم قدم پر ہے۔

تقلید بلا عقل

اسی طرح مجھے مثنوی کے ایک اور شعر کی تفسیر میں تحیر تھا۔ مصداق متعین نہ ہوتا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

نکتہ ہا چوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود نیا(۱)

اگر فہم سلیم (۲) حاصل ہے تو حقیقت کو سمجھ جاؤ گے اور اگر فہم نہیں تو پھر بے سمجھے بوجھے بزرگوں کی تقلید کرو گے کہ جو کام دوسروں کو کرتے دیکھا خود بھی کرنے لگے۔ پھر اس تقلید کا وہ انجام ہوگا جو بندر کی تقلید کا انجام ہوا تھا کہ ایک بندر کسی حجام کا استرہ لے کر بھاگ گیا تھا۔ حجام بڑا پریشان ہوا کہ اس سے کس طرح چھینوں اس نے یہ عقلمندی کی کہ دوسرا استرہ نکال کر آہستہ آہستہ اپنی ناک پر پھرایا۔ بندر کو اتنی عقل کہاں جو اس فعل کی حقیقت سمجھتا اس نے بھی تقلید کی اور استرہ کو زور سے اپنی ناک پر پھیرا۔ جس سے ناک کٹ گئی پھر تو بڑا گھبرایا اور استرہ کو وہیں ڈال کر چلاتا ہوا بھاگا۔ حجام نے اپنا استرہ اٹھالیا۔

اندھی تقلید

تو بدون عقل کے تقلید کا یہ انجام ہوتا ہے اس لیے بزرگوں کے افعال کی تقلید کے لیے عقل کی بہت ضرورت ہے شاید اس پر یہ شبہ ہو کہ اس سے تو تقلید کی مذمت ظاہر ہوتی ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اس سے اس تقلید کی مذمت معلوم ہوئی جو عمل میں تقلید

(۱) ''میں سوچتا تھا کہ سلوک میں باریک نکات کا ہونا تو مسلم مگر سپر کیا چیز ہے حاجی صاحب نے فرمایا کہ سپر سے مراد فہم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان باریک نکات کے لیے فہم صحیح کی ضرورت ہے'' (۲) صحیح سمجھ۔

ہو بلا دریافت اس کی بناء صحیح کے جیسے ایک صوفی سفر میں کسی خانقاہ میں ٹھہرا۔ ان لوگوں پر کئی وقت کا فاقہ تھا۔ انہوں نے رات میں خادم کو غافل پا کر صوفی کا گدھا کھول کر بازار میں بیچ دیا اور خوب کھایا پیا۔ اور صوفی کی بھی دعوت کی اور کھانے کے بعد قوالی ہوئی اور قوال سے فرمائش کردی کہ یہ شعر پڑھو۔

خر برفت وخر برفت وخر برفت خر برفت وخر برفت وخر برفت(۱)

اور چونکہ سب کھانا پینا اسی خر برفت کی بدولت تھا اس خوشی میں صوفیوں پر حال بھی طاری ہوگیا۔ اور سب یہی کہنے لگے۔

خر برفت و خر برفت وخر برفت

گدھے کا مالک بھی یہی کہہ رہا تھا۔ صبح کو جو دیکھا تو گدھا ندارد(۲) خادم سے پوچھا اس نے کہا وہ تو رات سے غائب ہے اور میں نے حضور کو اطلاع کرنا چاہی تھی مگر آپ خود ہی کہہ رہے تھے۔

خر برفت و خر برفت وخر برفت(۳)

میں سمجھا کہ آپ کو کشف سے اطلاع ہو چکی ہے اس لیے خاموش واپس آ گیا کہنے لگا۔ کمبخت مجھ کو کیا خبر تھی میں تو اوروں کی تقلید میں کہہ رہا تھا۔

تقلید بعد از تحقیقات

بس ایسی تقلید کو مولانا فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شاں برباد داد کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد(۴)

اس سے بعض غیر مقلدین نے تقلید کی مذمت پر استدلال کیا ہے میں نے کہا کہ مولانا نے مطلق تقلید پر لعنت کہاں کی ہے۔ بلکہ وہ تو خاص قسم کی تقلید پر لعنت فرماتے ہیں یعنی خر برفت جیسی تقلید پر جس میں ایک فعل کی تقلید تھی بدوں دریافت حال کے چنانچہ یہ نہیں فرمایا کہ لعنت بر تقلید باد(۵)۔ بلکہ یہ فرمایا کہ لعنت بریں تقلید باد(۶) اور ہم جو بزرگوں

(۱) ''گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا'' (۲) گدھا غائب تھا (۳) ''گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا گدھا چلا گیا'' (۴) ''مخلوق کو ان کی تقلید نے برباد کیا پس ان کی اس تقلید پر دو سو لعنتیں ہوں'' (۵) تقلید کرنے پر لعنت ہو نہیں فرمایا (۶) بلکہ یہ کہا اس تقلید پر لعنت ہو۔

کی تقلید کرتے ہیں وہ ایسی تقلید نہیں ہے بلکہ بناء صحیح کی تحقیق کے بعد ہے اس لیے وہ اس شعر کا مصداق نہیں۔ لہٰذا اس شعر سے غیر مقلدین کو مقلدین کے مقابلہ میں احتجاج کا حق نہیں۔ الغرض بعض لوگوں نے اختلاط تو اختیار کر رکھا ہے حظ نفس کے لیے(۱) اور بزرگوں کے اقوال کو سند بنا لیا ہے یہ ان کی غلطی ہے۔ بہر حال اسی تفاوت (۲) حالت کے سبب سلف کا اصل مذاق اختلاط ہے (۳)

ترجیح عزلت

اور متاخرین نے عزلت (۴) کو ترجیح دی ہے اور اس کے منافع کثیرہ بیان فرمائے ہیں جن میں ایک نفع یہ ہے کہ عزلت میں گناہوں سے اجتناب ہوتا ہے بشرطیکہ ایسی عزلت نہ ہو کہ تنہائی میں رہ کر روشندان سے عورتوں کو گھورا کرے بلکہ ایسی عزلت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے۔ کان کی بھی حفاظت کرے دل کی بھی حفاظت کرے کہ قصداً کسی غیر کا خیال دل میں نہ لائے۔ اگر آ جائے تو ذکر میں مشغول ہو کر اسے دفع کر دے۔ ایسی عزلت میں واقعی گناہوں سے بہت حفاظت ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت مقدم ہے (۵)۔ جلب منفعت پر تو عزلت اختلاط پر مقدم ہے۔ کیونکہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں مگر ساتھ ہی مضرت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعدی اس پر ایک حکایت فرماتے ہیں۔

بزرگے دیدم اندر کوہسارے　　نشستہ از جہاں در کنج غارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی　　کہ بارے بندے از دلبر کشائی
بگفت آنجا پریر ویاں نغزند　　چوگل بسیار شد پیلاں بلغزند (۶)

تو اس بزرگ نے اختلاط کی بھی مضرت بتلائی کہ اس میں نامحرم پر نگاہ پڑ جاتی ہے۔ جس سے بعض دفعہ سنبھلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعضے بزرگ منہ پر چادر لپیٹ

(۱) میل جول نفس کی لذت کی خاطر کرتے ہیں اور بزرگوں کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں (۲) حالتوں کے فرق کی بنا پر (۳) متقدمین میل جول کو پسند کرتے ہیں (۴) گوشہ نشینی (۵) نقصان دہ چیز سے بچنا مقدم ہے نفع کو حاصل کرنے پر (۶) ''میں نے پہاڑ کے ایک غار میں ایک بزرگ کو بیٹھے دیکھا میں نے پوچھا آپ شہر میں کیوں تشریف نہیں لائے کہ لوگ آپ سے مستفیض ہوں، بولے وہاں پر پریوں جیسے خوبصورت چہرے موجود ہیں جو آدمی کو پھسلا دیتے ہیں جب پھول زیادہ ہوں بڑوں بڑوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں''

کر سر جھکا کر چلتے ہیں کسی طرف نہیں دیکھتے بلکہ زمین پر نگاہ رکھتے ہیں لوگوں نے اور اس کی وجہ میں بعض نے فرمایا ہے کہ شیطان ہر طرف سے انسان کے پاس آسکتا ہے مگر نیچے اور اوپر سے نہیں آسکتا اور اوپر نگاہ رکھنا ہر وقت دشوار ہے۔اس لیے میں نگاہ نیچی رکھتا ہوں۔قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔قرآن میں شیطان کے قول کی حکایت کی گئی ہے۔ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (۱) شیطان نے حق تعالیٰ سے کہا کہ میں بنی آدم کے پاس سامنے سے آؤں گا اور پیچھے اور دائیں سے اور بائیں سے۔ اس میں صرف چار جہت کا ذکر ہے فوق وتحت مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ فوق وتحت سے شیطان نہیں آسکتا (مگر فوق سے مراد وہ ہے جو کہ بالکل تحت کا مقابل ہو جس میں جہت قدام کا شائبہ بھی نہ ہو تو یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اوپر نگاہ کرنے سے تو اکثر نامحرموں پر نظر پڑ جاتی ہے جواب یہ ہے کہ نگاہ اگر بالکل اوپر ہو تو نظر صرف آسمان پر پڑے گی اور وہاں کوئی نامحرم نہیں۔ ہاں نگاہ اونچی کر کے جب سامنے بھی نظر کو دوڑایا جائے گا تب البتہ شیطان کو موقع ملے گا۔خوب سمجھ لو ۱۲ جامع)

احتیاط از امتیاز

بہرحال بزرگوں نے زمین پر نگاہ کی تاکید کی ہے ہاں اگر اس سے امتیاز کی شان پیدا ہونے لگے تو ہمارے مشائخ کا طرز یہ ہے کہ وہ امتیاز سے بچتے ہیں ایسی ہیئت سے نگاہ نیچی نہیں کرتے کہ گردن بھی جھک جائے۔ بلکہ معمول کے موافق چلتے ہیں اور نگاہ نیچی رکھتے ہیں۔نگاہ کے جھکانے کے لیے گردن جھکانے کی کیا ضرورت ہے پس امتیازی شان نہ بنانا چاہیے۔ اسی لیے ہمارے بزرگ نہ عبا پہنتے ہیں نہ چوغہ نہ صدری (۲) کہ اس سے آدمی خواہ مخواہ دوسروں سے ممتاز معلوم ہوتا ہے۔صدری میں آج کل ہماری جماعت میں اختلاف ہے بعض اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک یہ زائد چیز ہے۔ ہمارے مدرسہ میں کیرانہ کا ایک لڑکا صدری پہنتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا ضرورت ہے اس

((۱) الاعراف: ۱۷ (۲) واسکٹ۔

نے یہ ضرورت بتلائی کہ کرتہ پھٹ رہا ہے اس سے کمر نظر آتی ہے میں نے کہا کہ پھر تم صدری کو کرتہ کے نیچے پہنو یہ ضرورت پوری ہوجائے گی کرتہ کے اوپر پہننا تو محض زینت (۱) کے لیے ہے یہ تو ایک امتیازی شان ہوگئی ہے ہم نے اپنے اکابر کو صدری پہننے کا عادی نہیں دیکھا۔ یہ رواج عموم ولزوم کے ساتھ آج کل ہی نکلا ہے۔ اوراس کو بھی لوگوں نے علماء کا خاص ایک امتیاز شعار بنالیا ہے جس سے ہمارے اکابر بچتے تھے چنانچہ اگر کسی وقت عزلت سے بھی ہونے لگے تو ہمارے اکابر عزلت (۲) اختیار نہ کرتے تھے بلکہ اختلاط (۳) کے ساتھ زبان کی حفاظت کرتے تھے مگر یہ کام صدیقین کا ہے کہ اختلاط کے ساتھ بھی کوئی بات خلاف شرع نہ کرے بحمد للہ ہمارے اکابر نے ایسا بھی کرکے دکھلا دیا ہے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات لوگوں میں بیٹھے رہا کرتے تھے تنہائی کے خاص اوقات تھے زیادہ وقت مولانا کا مجلس ہی میں گزرتا مگر باوجود اختلاط کے باتیں بہت کم کرتے تھے مجلس میں بیٹھے ہوئے اکثر درود شریف پڑھتے رہتے تھے مگر جب باتیں کرتے تھے تو دریا بہتا تھا۔ پھر خاموش ہوجاتے تھے بعض لوگوں کو یہ خاموشی ناگوار تھی مولانا کی شکایت کرتے تھے کہ بڑے روکھے ہیں ہم گھنٹوں بیٹھے رہے دو چار بات کے سوا کوئی بات ہی نہیں کی۔ میں نے دل میں کہا کہ تم

(قلت ولکن فی فوق القمیص من سھولۃ النزع وقت الحر وغیرہ ومالیس فی لبسہ تحتہ ولذا لم یختلفوا فی الصدری المحشو بالقطن واجاز والبسہ فوق القمیص لاجل تلک العلۃ بعینھا وبالجملۃ ففی کونہ داخلا فی مالا یعنی نظر نعم لا خلاف فی قبحہ اذا لبسہ لمحض الزینۃ بدون الحاجۃ واللہ اعلم ۱۲۔ جامع (۲) وکذا اذا خیف علی المبتدی وقوعہ من الحاجۃ الی الزینۃ منع الشیخ سد اللباب مادام ھذا الخوف وھذا علی رای الشیخ ۱۲ اشرف علی (۳) جامع وعظ علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ صدری اوپر پہننے میں یہ سہولت ہے کہ اگر گرمی لگے تو اتارنے میں آسانی ہے جو کرتے کے نیچے پہننے میں ہیں ہے اسی لیے روئی کی صدری کو کرتے کے اوپر پہننے نہیں کوئی اختلاف نہیں ہے اس علت کی بنا پر اس کی اجازت ہے اس کو غیر ضروری شمار کرنا محل نظر ہے البتہ اگر محض زیب وزینت کے لیے پہنے جبکہ ضرورت نہ ہو تو اس کی برائی میں کوئی خلاف نہیں ہے) (۳) اس طرح گر مبتدی کے زیب وزینت میں مبتلاء ہونے کا خوف ہو تو منع کرنا اس برائی کے دروازے کو بند کرنے کے لیے درست سے جب تک یہ خوف رہے۔ شیخ کی یہی رائے۔ یہ حاشیہ حضرت تھانوی کا ہے) (۱) گوشہ نشینی (۲) میل جول۔

بڑے سوکھے ہو جو مولانا کو روکھا بتلاتے ہو یا بہت تر ہو کہ ڈوبنے کے قابل ہو۔

انضباط اوقات

بس تمہارے نزدیک بڑا سخی اور با اخلاق وہ ہے جو اپنا قیمتی وقت ضائع کرتا رہے۔ افسوس اگر سفید چمڑے(۱) والے وقت کا انضباط(۲) کریں تو اس میں حکمت ہے انتظام ہے اور مولوی وقت کا انضباط کریں تو بدخلقی ہے روکھا پن ہے۔ آخر دونوں میں فرق کیا ہے بس یہی فرق ہے نہ کہ وہ امیر ہیں۔ اور مولوی غریب ہیں۔ امیروں کی ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے گو بری ہی کیوں نہ ہو اور غریبوں کی اچھی بات بھی بری معلوم ہوتی ہے جیسے ایک غریب نے کہا تھا کہ آج کل غریبوں کی ایسی ذلت ہے کہ امیر گوز مارے(۳) تو کہتے ہیں مبارک ہو صحت ہوئی۔ سلامتی ہوئی اور غریب گوز مارے تو کہتے ہیں بڑا بدتہذیب ہے دماغ سڑا دیا واقعی بات تو یہی ہے۔

اس پر اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب انگریز تو ہم سے مستغنی ہیں وہ اگر اپنے وقت کا انضباط کریں تو ان کو حق ہے مگر مولویوں کو کیا حق ہے کہ یہ ہم سے اینٹھیں اور بات بھی نہ کریں یہ تو چندہ کے لیے ہمارے گھروں پر آتے رہتے ہیں۔

چندے کا احسان

میں کہتا ہوں کہ لعنت ہے ایسے چندہ پر جس کی وجہ سے لوگ علماء سے یہ توقع رکھیں کہ وہ ان کی آواز پر حاضر ہوجایا کریں جو لوگ اس غرض سے چندہ دیتے ہیں مہربانی کرکے وہ اپنے چندہ کو اپنے گھر رکھیں علماء اپنے واسطے چندہ نہیں کرتے بلکہ دینی کاموں کے واسطے کرتے ہیں اور دین سب مسلمانوں کا ہے تنہا مولویوں کا نہیں ہے پس علماء کا تم پر یہ احسان ہے کہ وہ تمہارا مال دین کے کام میں لگا دیتے ہیں تمہارا ان پر کیا احسان ہے تمہارا احسان جب ہوتا جب تم ان کے ذات خاص کے واسطے چندہ دیتے۔ مگر جب تم خدا کے واسطے اور دین کے کاموں کے واسطے دیتے ہو تو یہ اپنے کام کے واسطے دینا ہوا تو اس دینے کا مولویوں پر کیا احسان ہے۔ اور اس کی وجہ سے تم کو کیا

(۱) انگریز (۲) پابندی اوقات (۳) ہوا خارج کرے۔

حق ہے کہ مولویوں سے اپنی تعظیم وتکریم کی امید رکھو اور یہ کہ وہ تمہاری خاطر سے اپنا قیمتی وقت ضائع کیا کریں اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ علماء آج کل چندہ دینے والوں کا لمبے چوڑے القاب سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مجھے تو یہ طرز بہت ناگوار ہے۔ آخر علماء پر انہوں نے کیا احسان کیا ہے جس کا وہ شکریہ ادا کرتے ہیں ہاں دعا دینے کا مضائقہ نہیں یہ تو نص سے ثابت ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۱)

وفی الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم صلی علی آل ابی اوفی اھ (۲) پس جب کوئی چندہ دیا کرے اس کے حق میں اس طرح دعا کرنے کا مضائقہ نہیں کہ حق تعالیٰ آپ کے چندہ کو قبول فرمائے اس کا اجر دے آپ کے دین ودنیا میں ترقی دے۔ اعمال صالحہ کی توفیق بڑھائے وغیر ذلک لیکن شکریہ ادا کرنے کے کیا معنی۔ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ چندہ دینے والوں نے مولویوں پر کچھ احسان کیا ہے تو کیا یہ چندہ تمہارے گھر کے خرچ کے لیے دیا ہے یا تمہارا ارادہ اس کو اپنے خرچ میں لانے کا ہے۔ جب یہ نہیں تو آپ پر کیا احسان۔ اگر احسان کیا ہے تو دینے والے نے اپنی ذات پر احسان کیا ہے کہ ثواب کے لیے خدا کے کام میں اپنا مال خرچ کرتا ہے اس صورت میں تو چندہ دینے والوں کو علماء کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ ان کا روپیہ اچھے مصرف میں لگا رہے ہیں۔ الٹا تم کیوں شکر ادا کرتے ہوئے ۱۲ جامع) اس سے لوگوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں اور وہ علماء کے اس شکریہ سے (جس کا منشاء ان کی تواضع ہے ۱۲) یہ سمجھ گئے کہ سچ مچ ہم نے کچھ ان پر احسان کیا ہے۔ بس اب وہ اس کے منتظر رہنے لگے کہ علماء ہماری تعظیم وتکریم بھی کریں۔ ہمارے لیے اپنے گھنٹے بھی ضائع کیا کریں۔ حالانکہ حقیقت میں ان کو اس کا کچھ حق نہیں کیونکہ میں بتلا چکا کہ اس چندہ سے وہ علماء پر کچھ بھی احسان نہیں کرتے۔ انصاف سے بتلاؤ اگر کسی وقت گورنمنٹ اپنی کسی ضرورت کے لیے رعایا سے چندہ طلب کرے اور تحصیلدار وغیرہ کو چندہ وصول کرنے کے لیے مامور کرے

(۱) ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے (ان کو گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کردیں گے اور ان کے لیے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان ہے'' التوبہ: ۱۰۳ (۲) الصحیح للبخاری: ۲/ ۱۵۹، الصحیح لمسلم کتاب الزکوٰۃ: ۱۷۶، سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ: ۷)

تو کیا اس وقت بھی آپ یہ سمجھیں گے کہ تحصیلدار پر ہم نے احسان کیا ہے اس لیے ان کو ہماری خاطر مدارات اور تعظیم وتکریم کرنی چاہیے ہرگز نہیں بلکہ وہاں تو آپ چندہ بھی دیں گے اور تحصیل دار صاحب کو نذرانہ بھی دیں گے اور اگر وہ نذرانہ قبول کرلیں تو ان کا احسان سمجھیں گے اس کا کبھی وسوسہ بھی نہ آئے گا کہ تحصیلدار پر ہم نے کچھ احسان کیا ہے پھر علماء کو چندہ دے کر آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ ان پر احسان ہوا۔ بس یہی تو فرق ہے کہ حکام دنیا کی قلوب میں وقعت ہے اور دین کی وقعت نہیں۔ اگر کسی درجہ میں آپ کی یہ بات معقول بھی ہوتب بھی آپ کو سب علماء سے یہ امید رکھنے کا حق نہیں کہ وہ آپ کی تعظیم وتکریم کریں۔ اور تمہارے لیے اپنا وقت ضائع کریں اگر کچھ حق ہے تو ان علماء پر ہے جو تم سے چندہ مانگتے ہیں اور جو چندہ نہیں مانگتے ان سے یہ امید رکھنے کا آپ کو کیا حق ہے اور اگر وہ انضباط اوقات کریں تو ان کی شکایت کیوں کی جاتی ہے۔ یہاں سے ان لوگوں کی حماقت ظاہر ہوگئی جو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی کم گوئی پر اعتراض کرتے تھے۔ آخر مولانا انکی وجہ سے اپنا وقت ضائع کیوں کرتے وہ کب اور کس دن ان سے چندہ مانگنے آئے تھے۔

ایک تحصیلدار صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گیا تھا اس وقت چارپائی پر لیٹے ہوئے جاگ رہے تھے مگر مجھے دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں منہ پھیر لیا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئے۔ بہت ہی روکھے تھے۔ میں نے دل میں کہا کہ وہ تمہارے باپ کے نوکر تھے کہ جس وقت تم جاؤ اسی وقت اٹھ کر بیٹھ جائیں اور تم سے باتیں بنانے لگیں یہ تمہاری حماقت تھی کہ سونے کے وقت ملنے گئے بھلا یہ وقت ملنے کا تھا۔ تم کو چاہیے تھا کہ حجرہ سے باہر بیٹھتے۔ جب مولانا نماز کے لیے باہر آتے اور نماز سے فارغ ہوکر جلسۂ عام میں بیٹھتے اس وقت ملتے پھر دیکھتے کہ مولانا روکھے ہیں یا تم سوکھے ہو۔ ایک صاحب نے مجھ سے ایک حاکم انگریز کی حکایت بیان کی کہ اس نے کسی دوسرے حاکم سے چارج لینے کے لیے دس بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ چنانچہ دس بجے کے قریب یہ انگریز کچہری میں پہنچا۔ مگر قریب پہنچ کر اس انگریز نے گھڑی دیکھی تو دس بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ تو وہ کچہری کے اندر نہیں گیا۔ بلکہ پانچ منٹ تک کچہری کے باہر ٹہلتا رہا۔ جب گھڑی میں پورے دس بج گئے اس وقت اس نے اندر قدم رکھا اور دوسرے حاکم سے چارج لیا۔ یہ حکایت بیان کرکے وہ

بہت مدح کررہے تھے کہ یہ لوگ اوقات کے بہت ہی پابند ہیں وہ مدح کررہے تھے اور میں حیرت کرتا تھا اگر کوئی مولوی ایسا کرے تو اس کی شکایت بیان کی جاتی ہے کہ ہم وقت سے پانچ منٹ پہلے پہنچے تھے تو ہم سے بات نہ کی۔

لیکچر میں چندہ

اور یہ شکایت محض اس لیے کی جاتی ہے کہ مولوی ان سے چندہ لیتے ہیں حالانکہ یہ معترض صاحب چندہ میں مولویوں سے زیادہ مبتلا ہیں۔ ہر لیکچر میں چندہ کی مانگ ہوتی ہے آج کالج کے لیے چندہ ہورہا ہے کل یونیورسٹی کے لیے کانگریس کے لیے کبھی اور کسی خاک بلا کے لیے۔ اکبر حسین جج الہ آبادی لکھتے ہیں۔

در پس ہر لکچر آخر چندہ ایست   مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست(۱)

اکبر حسین مرحوم کہتے تھے کہ وعظ تو ہم نے چندہ سے خالی بہت سنے مگر لیکچر ایک بھی اس سے خالی نہیں سنا تو ظاہر میں دعویٰ مگر میں دعوے کی نیت سے نہیں کہتا کہ واللہ وعظ تو ہم پچاسوں چندہ سے خالی سنادیں گے تم لیکچر ایک تو اس سے خالی دکھادو۔ مگر فرق یہ ہے کہ جنٹلمین چندہ کرتے ہیں قیمتی کپڑے پہن کر اور مولوی چندہ کرتے ہیں معمولی کپڑے پہن کر۔

واعظ کا لباس

اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ ہم جو بعض معززین کی درخواست پر شملے گئے تو وہاں وعظ کا اعلان ہوا۔ کرنل عبدالمجید صاحب نے اپنے نام سے اعلان کیا جس وقت میں وعظ کے لیے کھڑا ہوا تو میرے کپڑے دیکھ کر بعض جنٹلمینوں نے کرنل صاحب سے کہا کہ تمہارے علماء کے کپڑے تو ایسے ہیں جیسے ابھی پاخانہ سے نکل کر آرہے ہوں حالانکہ میں کھدر پہنے ہوئے بھی نہ تھا۔ اور نہ میرا ارادہ کھدر(۲) پہننے کا ہے۔ چکن اور لٹھ کے کپڑے تھے اور چونکہ جمعہ کا دن تھا اس لیے صاف بلکہ کلف استری کے ہوتے

(۱) ''یعنی جو ابتداء لیکچر ہی سے انجام کو سمجھ لے کہ اخیر میں چندہ مانگا جائے گا اور یہ سمجھ کر پہلے ہی سے چلا جائے وہ بہت مبارک بندہ ۱۲ جامع'' (۲) کیونکہ کھدر پہننا آج کل گاندھی پرست جماعت کا شعار ہوگیا ہے ۱۲ جامع

تھے مگر ہاں کرتہ لمبا تھا اور پاجامہ اونچا تھا یہ نہ تھا کہ کرتہ اونچا ہو اور پاجامہ ٹخنوں سے نیچا ہو ان نوتعلیم یافتہ صاحب کو یہ لباس حقیر معلوم ہوا۔ کرنل صاحب نے ان سے کہا کہ میں ابھی اس بات کا جواب دینا نہیں چاہتا۔ وعظ ختم ہونے کے بعد پوچھنا اس وقت جواب دوں گا۔ چنانچہ بعد ختم وعظ کرنل صاحب منتظر رہے کہ یہ اس اعتراض کا اعادہ کریں مگر وہ کچھ نہیں بولے تب کرنل صاحب نے خود یاد دلایا کہ اب آپ کہیے کیا کہتے تھے۔ کہنے لگے کچھ نہیں کہتا۔ اور جو کچھ کہا تھا حماقت تھی۔ میں یوں سمجھا تھا کہ لیاقت بھی کپڑوں کے موافق ہوتی ہے مگر اس وقت اپنی غلطی ظاہر ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ کپڑے معیار لیاقت نہیں۔ اتفاق سے یہ بات میرے کانوں تک بھی پہنچ گئی میں نے دوسرے جلسہ میں ممبر پر آتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات ہمارے لباس پر خاص رائے رکھتے ہیں اور میں حسن ظن منشاء اس کا نیک نیتی ہی سمجھتا ہوں۔ غالباً محبت ہے وہ چاہتے ہوں گے کہ علماء عمدہ اور قیمتی لباس پہن کر وعظ کہا کریں تاکہ سامعین کے قلوب میں ان کی عظمت ہو۔ اور ان کی عظمت سے مضمون کی عظمت ہو۔ مجھے اس منشاء پر اعتراض نہیں اور میں اس کے حُسن قبح (۱) سے اس وقت بحث نہیں کرنا چاہتا میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ علماء کو عمدہ لباس پہن کر ہی وعظ کہنا چاہیے مگر سوال یہ ہے کہ عمدہ لباس آئے کہاں سے ہمارے پاس تو اتنا روپیہ نہیں جو آپ کی تجویز اور منشاء کے موافق لباس بنائیں۔ تو اس صورت میں اتنا روپیہ کہاں سے آوے۔ زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جو ذرائع ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض تو شرعاً قبیح ہیں (۲) جن کو ہم جائز نہیں رکھتے جیسے ڈپٹی کلکٹری وسب ججی وغیرہ اور بعض عقلاً بھی قبیح ہیں جن کو نہ ہم جائز رکھیں نہ آپ جیسے وعظ کہہ کر اپنی حاجت پیش کرنا جب یہ دونوں ذرائع ناجائز ہیں صرف ایک ذریعہ یہی رہ گیا کہ ہم میں کوئی مدرس ہے کوئی مصنف کوئی محشّی، کوئی کسی مطبع کا مصحح تو اس صورت میں ہماری مالی حیثیت اسی لباس کی ہوگی جو ہم پہنے ہوئے ہیں۔ اور اگر اس سے زیادہ حیثیت بھی ہوتی تب بھی ہمیں یہ کیونکر معلوم ہوتا کہ آپ کی منشاء کے موافق کس قیمت کا لباس ہونا چاہیے ممکن ہے کہ ہم اس موجودہ لباس سے بڑھیا لباس پہن کر آئیں اور آپ

(۱) اچھا برا ہونے سے (۲) برے۔

کی نظر میں وہ بھی حقیر ہو اس لیے اس کی آسان صورت یہ ہے کہ معترض صاحب اپنی منشاء کے موافق نہایت عمدہ قیمتی جوڑے ہمارے لیے بنادیں تاکہ جب تک ہم شملہ میں رہیں اسی لباس کو پہن کر وعظ کہا کریں۔ اور اس کا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جب شملہ سے جانے لگیں گے وہ لباس آپ کے حوالہ کر جائیں گے اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے تاکہ ہمارے بعد کوئی اور مولوی وعظ کہنے آئے تو آپ اس کو بھی وہ لباس دے سکیں کہ مولانا یہ کپڑے پہن کر وعظ فرمایئے۔ اس میں آپ کا مقصود بھی حاصل ہوجائے گا کہ سامعین وعظ کی نظروں میں قیمتی لباس کی وجہ سے علماء کی عظمت ہوگی اور ہم بھی خرچ کے بارے سبکدوش رہیں گے اور آپ کا بنایا ہوا لباس پھر آپ کے پاس واپس آجائے گا۔ آپ کو ہر مولوی کے واسطے بار بار جوڑا تیار کرنا نہ پڑے گا۔ ایک دفعہ کا بنایا ہوا برسوں کام دے گا اور غالباً معترض صاحب میں اتنی وسعت تو ضرور ہوگی کہ ایک دفعہ ہمارے لیے قیمتی جوڑے تیار کردیں کیونکہ ہمارا لباس اس شخص کی نظروں میں حقیر ہوسکتا ہے جو مالدار صاحب وسعت ہو کیونکہ دوسرے مقامات پر ہمارے لباس کو کسی نے حقیر نہیں بتلایا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بہت ہی مالدار لوگ رہتے ہیں جن کی نظروں میں ہمارا چکن کا لباس بھی حقیر ہے تو مہربانی فرما کر وہ لباس ہمارے لیے تیار کرادیں ہم اس کو پہن کر وعظ کہہ دیا کریں گے۔ اس سے ہمیں انکار نہ ہوگا اور یہاں سے روانگی کے بعد اگر کسی دوسری جگہ بھی ہمارے لباس کو حقیر سمجھا گیا تو ہم وہاں کے لوگوں سے بھی یہی کہہ دیں گے جو آپ کے کہا ہے اگر ان کو قیمتی لباس میں وعظ سننا ہوگا تو وہ بھی اس کا انتظام خود کریں گے آپ نے بنائے ہوئے جوڑے ہم یہیں چھوڑ جائیں گے یہ صورت اس لیے بھی سہل ہے کہ وعظ کہنے والا تو ایک آدمی ہے جو سینکڑوں مقامات پر جاتا ہے تو ایک آدمی کو ہر جگہ کے مذاق کی رعایت کرنا دشوار ہے۔ اور ہر ہر شہر کے آدمیوں کو ایک ایک جوڑا اپنے مذاق کے موافق تیار کرلینا آسان ہے۔ اب میں منتظر ہوں کہ ہمارے واسطے جوڑے تیار ہوکر کب آتے ہیں۔ اگر غیرت ہوگی تو بہت جلد اس کا انتظام کیا جاوے گا اس تقریر سے معترضین کی گردنیں جھک گئیں اور نگاہیں نیچی ہوگئیں۔

جنٹلمین اور علماء کا چندہ

تو آج کل لوگوں کا مذاق ایسا بگڑا ہے کہ ان کی نظروں میں صرف قیمتی لباس والے کی عظمت ہوتی ہے حالانکہ چندہ کرنے میں جنٹلمین اور مولوی دونوں شریک ہیں مگر وہ لوگ قیمتی کپڑے پہن کر چندہ مانگتے ہیں اس لیے ان کی ذلت نہیں ہوتی اور مولویوں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے حالانکہ عقل کا مقتضاء یہ ہے کہ چندہ مانگنے والے کو قیمتی لباس نہ پہننا چاہیے کیونکہ اس کا اثر مسلمانوں پر یہ ہوتا ہے کہ غریب آدمی چندہ میں شرکت نہیں کرسکتا۔ وہ سوچتا ہے کہ جو شخص سو روپیہ کا لباس پہن کر سوال کر رہا ہے اسے چار پانچ روپیہ کیا دوں کم از کم سو پچاس تو دوں اور جو وسعت والے بھی ہیں اگر ان کی نیت تیس روپیہ دینے کی ہوتی ہے تو وہ لیکچرار کے لباس کو دیکھ کر اور اس کی شان وشوکت سے دب کر بیس کی جگہ پچاس دیتا ہے اور جو چندہ دباؤ سے وصول ہو وہ حرام ہے مگر افسوس ہے کہ عوام میں پھر بھی ان ہی لوگوں کی عزت ہے جو دباؤ سے چندہ لیتے ہیں۔ مولوی تو دس پانچ روپیہ پر ہی قناعت کر لیتے ہیں اور دینے والوں کو دعائیں دیتے ہیں اور جنٹلمین دوسو پانچ سو سے کم پر قناعت ہی نہیں کرتے اور اگر کوئی یہ کہے کہ مولوی چندہ کھاتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ واللہ مولوی اگر کھاتے بھی ہیں تو جنٹلمینوں سے کم کھاتے ہیں ان میں اگر کوئی کمبخت کھاتا بھی ہے تو بہت سے بہت چار پانچ سو روپیہ کھالے گا اور جنٹلمین تو ہزاروں لاکھوں کھا کر بھی ڈکار نہیں لیتے۔ چنانچہ آج کل جو چندوں میں خیانت کا راز کھلا ہے تو معلوم ہوا کہ بعضے جنٹلمین ہزاروں لاکھوں روپیہ ہضم کر گئے اور ایک پیسہ کا بھی حساب نہیں دیا۔ تو مولوی تو برزخ ہیں قبر ایک ہی مردہ سے بھر جاتی ہے اور یہ لوگ دوزخ ہیں(۱) جس کی حالت یہ ہے یَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَأۡتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ (۲) دوزخ کا کبھی پیٹ ہی نہیں بھرتا وہ یہی کہتی رہے گی کہ اور لاؤ اور لاؤ پس جو

(۱) یعنی مولوی تو مثل برزخ کے ہیں جیسے قبر میں ایک مردہ رکھو تو وہ بھر جائے گی مولوی اگر کھائے گا بھی تو تھوڑے میں اس کا پیٹ بھر جائے گا اور ان کی مثال تو دوزخ کی سی ہے کہ اس میں جتنے بھی لوگ بھرتے جائیں وہ کہے گی اور لے آو اس طرح ان کا پیٹ تھوڑے سے نہیں بھرے گا بلکہ کہیں گے اور لے آؤ۔ جسکا آج کل مشاہدہ ہے (۲) ق: ۳۰۔

لوگ چندہ کے باب میں مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ محل اعتراض ہیں لیکن اس پر بھی میں علماء سے یہی کہتا ہوں کہ خدا کے لیے تم یہ چندہ کا کام چھوڑ دو۔ اگر جنٹلمین چندہ کریں انہیں کرنے دو۔ تم یہ کام مت کردو واللہ شرم کی جگہ ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ روپیہ مولویوں کی حاضرات ہے کہ جہاں فلیتہ سلگایا اور جن حاضر ہوگئے۔

چندہ کی ذمہ داری

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ چندہ کے بغیر دین کا کام کیونکر چلے گا میں کہتا ہوں کہ دین کا کام سب مسلمانوں کا کام ہے۔ سب لوگ مل کر کام کریں۔ مولویوں کا کام وعظ کہنا تبلیغ کرنا درس دینا وغیرہ ہے۔ یہ کام تو وہ کریں چندہ کرنا ان امراء ورؤسا کا کام ہے جن پر کسی کو یہ شبہ نہ ہوسکے کہ یہ اپنے واسطے مانگ رہا ہے کیونکہ جانتے ہیں کہ اس کی اتنی بڑی حیثیت ہے کہ ہم دس دیں گے تو یہ اپنے پاس سے پچاس دے سکتا ہے۔ ایسے شخص کا چندہ کرنا ذلت کا سبب نہیں ہوسکتا تو یہ کام امراء ورؤساء کریں۔ یہ لوگ چندہ جمع کرکے پھر علماء سے پوچھ کر کام میں لگادیں۔ اس طرح کرکے دیکھیں معلوم ہوجائے گا کہ دین کا کام چلتا ہے یا نہیں۔

وعظ برائے چندہ

باقی مولویوں کو تو چندہ کے لیے وعظ بھی ہرگز نہ کہنا چاہیے ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ دینی ضرورتوں سے مسلمانوں کو مطلع کردیا جائے کہ فلاں جگہ یہ کام دین کا ہورہا ہے اس میں مسلمانوں کی امداد کی ضرورت ہے اس کے بعد اگر کوئی چندہ دے تو تم اپنے ہاتھ میں بھی ہرگز نہ لو۔ بلکہ اس سے کہہ دو کہ منی آرڈر وغیرہ کے ذریعہ سے خازن کے پاس خود بھیجو۔ اگر قسمت میں ہے تو واللہ وہ روپیہ مدرسہ میں ضرور آئے گا۔ ایک صاحب نے تھانہ بھون کے مدرسہ میں دوسو روپیہ بھیجے اور خط میں اتنا اور لکھ دیا کہ زیارت کا بہت اشتیاق ہے کوئی تاریخ مقرر فرمائی جائے تو بہت عنایت ہو۔ میں نے روپیہ واپس کردیا اور لکھ دیا کہ خط میں اگر میرے آنے کی تحریک نہ ہوتی تو میں روپیہ وصول کرلیتا۔ مگر اب نہیں لے سکتا۔ کیونکہ مجھے شبہ ہوگیا کہ شاید آپ مدرسہ میں یہ رقم دے کر مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں کہ اب ضرور آئے گا۔ کیونکہ ہم مدرسہ کے اتنے بڑے معاون ہیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد روپیہ پھر واپس آیا جس کے ساتھ ایک خط بھی آیا اس میں لکھا تھا کہ واقعی مجھ سے بڑی بدتہذیبی ہوئی مجھے رقم بھیجنے کے ساتھ شوق زیارت کا ذکر نہ کرنا چاہیے تھا۔ اب میں اپنی اس تحریک کو واپس لیتا ہوں۔ للہ آپ یہ رقم وصول کر کے مدرسہ میں داخل کر دیجئے میں تو مدرسہ میں رقم دے رہا ہوں آپ کو تھوڑا ہی دے رہا ہوں اس لیے آپ پر اس کا کچھ بھی احسان نہیں نہ کسی قسم کا دباؤ ہے اس شائستہ جواب کے بعد میں نے رقم لے کر مدرسہ میں داخل کر دی۔ اور ان کو جواب میں لکھا کہ پہلے آپ کو اشتیاق ملاقات تھا۔ اب مجھ کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا۔ آپ کی سلامتی طبیعت سے بہت دل خوش ہوا۔ پھر انہوں نے کئی ماہ بعد مجھے بلایا میں نے لکھا کہ اس شرط کے ساتھ آ سکتا ہوں کہ مجھے نذرانہ کچھ نہ دیا جائے اور اگر کچھ دیا گیا تو میں واپس کر دوں گا۔ انہوں نے شرط منظور کر لی میں چلا گیا۔ واپسی کے وقت انہوں نے اپنی والدہ کی طرف سے کچھ دینا چاہا اور کہا کہ میں نے تو آپ کی شرط پر عمل کیا مگر والدہ سے کوئی شرط نہ ہوئی تھی یہ رقم انہوں نے پیش کی ہے اس کو قبول کر لیا جائے۔ میں نے کہا والدہ اور ولد (۱) سب ایک ہیں اس لیے میں قبول نہیں کر سکتا یہ بھی میری شرط کے خلاف ہے۔ وہ کہنے لگے کہ پھر کسی کا دل ہدیہ کو چاہے تو وہ کیونکر پیش کرے۔ میں نے کہا ہدیہ دینے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ گھر پر بلا کر دیا جائے یہ بھی تو طریقہ ہے کہ میرے گھر پر آ کر دو۔ آپ تھانہ بھون تشریف لاویں وہاں ہدیہ دیں گے تو میں لے لوں گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون آئے اور مجھے تین گنی (۲) دیں۔ میں نے لے لیں گھر پر تو غالباً ایک یا دو ہی گنی والدہ کی طرف سے دے رہے تھے شاید اس پر انکار کی وجہ سے ایک یا دو اور بڑھ گئیں کیونکہ نخروں سے قیمت بڑھ جاتی ہے۔

چندے میں احتیاط

ایک صاحب نے طلبہ کے لیے پانچ روپیہ بھیجے اور ساتھ میں دعا کی استدعا بھی لکھی۔ میں نے روپیہ واپس کر دیئے کہ یہاں دعا کی دوکان نہیں ہم بدون ہدیہ کے بھی سب مسلمانوں کی بھلائی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ روپیہ پھر واپس آیا اور ساتھ میں

(۱) ماں اور بیٹا (۲) سونے کا ایک سکہ جو اکتیس شلنگ کا ہوتا ہے اور شلنگ ۱۲ پنز کا ہوتا ہے برطانیہ کا سب سے چھوٹا سکہ جس کو پینی بھی کہتے ہیں۔

خط بھی آیا کہ مجھ سے حماقت ہوئی۔ واقعی مجھے ہدیہ کے ساتھ دعا کی درخواست نہ کرنی چاہیے تھی۔ اب میں دعا نہیں کرانا چاہتا۔ آپ للہ طلبہ کے لیے یہ ہدیہ قبول فرمالیں۔ اب میں نے لے لیا اور ان کو لکھ دیا کہ آپ کے مقصد کے لیے دعا بھی کردی گئی۔ تو جہاں روپیہ لینے سے دین کی وقعت کم ہوتی ہو وہاں ہرگز روپیہ بھی نہ لیا جائے واپس کردینا چاہیے۔ واللہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ بھی ملتے ہوں مگر دین کی عزت کم ہوتی ہو تو ایسے روپیہ پر لعنت بھیجنی چاہیے۔ اور مانگنا تو درکنار رہا یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اختلاط کے باتیں کم کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو یہ بات ناگوار تھی یہ لوگ مولانا کو روکھا بتلاتے تھے اس پر یہ ساری گفتگو درمیان میں آگئی کہ لوگ علماء کی اچھی باتوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور وہی باتیں امراء کریں تو مدح ہوتی ہے۔

ضرر اختلاط

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اختلاط (۱) کے ساتھ قلت کلام (۲) بہت دشوار ہے یہ کام صدیقین و کاملین کا ہے۔ ورنہ اکثر حالت یہی ہے کہ اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنا پڑتی ہیں۔ اب اگر یہ دستور العمل رکھا جائے کہ جو شخص بھی ملنے آئے اس کے ساتھ خاطر مدارات و تعظیم و تکریم کا معاملہ کیا جائے۔ اور گھنٹوں باتیں بنائی جائیں تو سارا وقت اسی کا ہو رہے۔ اپنا کوئی کام بھی نہ ہوگا۔ اور اگر ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا اور دوسرے کے ساتھ نہ کیا تو اس کو ناگوار ہوگا اور جس کی تم نے خاطر مدارات کی تھی اس کے ساتھ حسد پیدا ہوجائے گا۔ کہ اس کی بہت خاطر ہوتی ہے پھر یہ شبہ بھی ہونے لگے گا کہ شاید کسی نے شیخ سے میری شکایت کی ہوگی۔ اس لیے میرے حال پر وہ عنایت نہیں جو دوسروں کے حال پر ہے۔ اب گمان ہی گمان پر کسی کی غیبت شروع کردی جس سے دشمنی بڑھ گئی۔ دشمنی کے بعد رات دن اس کو اس کے ایذا (۳) کی فکر ہے۔ اس کو اس کی فکر ہے بس اسی کے ہولئے نہ ذکر میں دل لگتا ہے نہ نماز میں نہ تلاوت میں نہ کسی کام میں ہر وقت فکر سوار ہے ضرر کثرت (۴) اختلاط کا یہ ہے کہ آپ کے وہ دوست صاحب ہر روز تمہارے پاس موجود ہیں دو گھنٹے تین گھنٹے روز ضائع کرتے ہیں کسی معمول کو لے کر

(۱) میل جول (۲) کم باتیں کرنا (۳) تکلیف دینے (۴) زیادہ میل جل رکھنے کا یہ نقصان ہے۔

بیٹھے تھے کہ دوست صاحب آ گئے بس معمول تو رخصت ہوا ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے۔اس طرح اوقات واوراد کا بہت ناس ہوتا ہے اسی لیے میں نے خانقاہ میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ نہ کسی سے دوستی بڑھاؤ نہ دشمنی پیدا کرو نہ زیادہ مجلس آرائی کرو۔کیونکہ یہ مجلس آرائی فساد کی جڑ ہے۔ہم نے دیکھا ہے کہ چوپال میں بیٹھ کر زیادہ باتیں کرنے سے اکثر لڑائی ہو جاتی ہے۔اس لیے سلامتی عزلت وقلت اختلاط (۱) ہی میں ہے۔

گوشہ نشینی کا طریقہ

مگر ایک بات قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ قلت اختلاط (۲) سے بھی بعض دفعہ شہرت ہو جاتی ہے اور شہرت دنیا و دین دونوں کے لیے مضر ہے (۳) مگر تجربہ یہ ہے کہ اگر قلت اختلاط اول ہی سے اختیار کر لو تو شہرت بھی نہ ہوگی۔کیونکہ لوگوں کی نظر میں یہ حالت کوئی نئی بات نہ ہوگی جانیں گے کہ اس شخص کی طبیعت ہی ایسی ہے اور اختلاط کے بعد اگر قلت اختلاط کرو گے تو شہرت ہو جائے گی کیونکہ لوگوں کو ایک نئی بات معلوم ہوگی کہیں گے آج کل فلاں شخص چلا کشی کر رہا ہے گوشہ نشین ہو گیا ہے پھر شہرت کے بعد چین نہ ملے گا۔اسی زمانہ میں ایک بزرگ نے اختلاط کے بعد جو عزلت اختیار کی تو پہلے سے زیادہ شہرت ہوگئی مخلوق کا رجوع زیادہ ہو گیا بڑے پریشان ہوئے ایک دوسرے بزرگ نے ان کو لکھا۔

آنروز کہ مہ شدی نمی دانستی کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

یعنی اب کیا گھبراتے ہو جس دن تم چاند بنے تھے اس دن تمہیں معلوم نہ تھا کہ چاند انگشت نمائے عالم (۴) ہوا کرتا ہے۔اس لیے لازم تھا کہ پہلے ہی سے چاند نہ بنتے یعنی اختلاط (۵) کر کے اپنے کو ظاہر نہ کرتے پس شہرت کے طریقے سے بچنا چاہیے۔اور اول ہی سے گمنامی اختیار کرنا چاہیے۔

شہرت کا نقصان

کیونکہ زیادہ شہرت دین و دنیا دونوں کے لیے ضرر رساں ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔

(۱) تنہائی اور کم ملنے جلنے میں ہی ہے (۲) کم ملنے جلنے (۳) نقصان دہ (۴) چاند کی طرف ساری دنیا انگلی اٹھاتی ہے (۵) میل جول کر کے مشہور نہ ہوئے۔

خویش را رنجور ساز وزار زار تاترا بیرون کنند از اشتہار(۱)

کیوں اس لیے کہ

اشتہار خلق بند محکم است بند ایں از بند آہن کے کماست(۲)

انیش گوید نے منم ہمراز تو آتش گوید نے منم انباز تو

او چو بیند خلق را سرمست خویش از تکبر میرود از دست خویش(۳)

یعنی جب وہ دیکھتا ہے کہ ساری دنیا میری معتقد ہے کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی پیر تو آپے سے باہر ہوجاتا ہے اور حکام کی نظر بھی مشہور لوگوں پر زیادہ ہوتی ہے جب کوئی قصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے مشہور لوگوں پر آفت آتی ہے آج کل جو عوام حکومت کے مقابلہ میں بہادر بنے ہوئے ہیں اس کا راز یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہم کو پوچھتا کون ہے۔ ہاں جو لوگ مشہور ہیں ان کا حکومت سے مقابلہ کرنا بیشک بہادری ہے کیونکہ ان کو ہر وقت اپنے اوپر خطرہ ہے گو اس سے بحث نہیں کہ یہ بہادری جائز ہے یا حرام اور یہ دینی شجاعت ہے یا نفسانی تہور(۴)۔ اس کو علماء سے پوچھو۔

حقیقی علماء

مگر صاف بات یہ ہے کہ علماء بھی سب نہیں ہیں۔ بلکہ علماء حقیقت میں صرف وہ ہیں جو لیڈروں کے تابع نہ ہوں۔ حکم شرعی کے تابع ہوں۔ اور جو علماء لیڈروں کے تابع ہیں ان کی تو حالت یہ ہے کہ واللہ اگر لیڈر آج اپنی رائے کو بدل دیں تو یہ علماء بھی ادھر ہی ہوجائیں مگر ہیں عقلمند کہ فوراً اپنے فتوے کو نہ بدلیں گے کیونکہ اس سے عوام کو صاف معلوم ہوجائے گا کہ ان کے فتوے لیڈروں کی رائے کے تابع ہیں بلکہ آہستہ آہستہ اپنی رائے کو بدل کر لیڈروں کے راستہ پر آجائیں گے۔ آج کل علماء لیڈروں کے ساتھ دو وجہ سے ہیں یا تو اس لیے کہ ان سے علیحدگی میں زوال جاہ(۵) کا اندیشہ ہے چنانچہ مشاہد ہے کہ

(۱) ''اپنے آپ کو رنجور اور گمنام رکھو تاکہ لوگ تم کو شہرت سے باز رکھیں'' (۲) ''مخلوق کی شہرت اللہ اور ان کے بندہ کے درمیان محکوم بند ہے یہ بند لوہے کے بند سے کیا کم ہے'' (۳) ''یہ کہتا ہے کہ میں ہمراز ہوں اور آگ کہتی ہے کہ میں تیری شریک ہوں اور جب وہ ساری دنیا کو اپنا معتقد دیکھتا ہے تو تکبر سے اپنے آپ مست ہوجاتا ہے'' (۴) یہ نفسانی دلیری ہے (۵) مرتبہ گرجانے کا اندیشہ ہے۔

جو علماء ان کے ساتھ نہیں ہیں ان کو عوام نے کیسا بدنام کیا اور کتنا برا بھلا کہا۔ یا روپیہ کی طمع سے ان کے ساتھ ہیں کہ اگر ہم نے ان تحریکات میں شرکت نہ کی تو مدرسہ کا چندہ بند ہو جائے گا۔ کوئی مدرسہ کی اعانت نہ کرے گا ایک عالم نے مجھے لکھا تھا کہ ان تحریکات سے علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اکیلے رہ جاؤ گے۔ کوئی تمہارے ساتھ نہ ہوگا میں نے جواب دیا کہ مجھے خدا کا ساتھ ہونا کافی ہے اور کسی کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں۔ لعنت ہے ایسے مال وجاہ پر (۱) جس سے مخلوق کی رضاء مقصود ہو مسلمان کی شان تو یہ ہونا چاہیے کہ رضاء الٰہی کے سامنے اُس کو کسی کی پرواہ نہ ہو۔ اگر مخلوق اس کو پاگل بنا کر چھوڑ دے مگر خدا راضی ہو تو وہی اُس کے لیے سلطنت ہے اگر وہ پاگل بھی ہے تو کس کا پاگل ہے۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم یست مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم (۲)

اس کے نزدیک جو خدا کا دیوانہ ہو وہ خود دیوانہ ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد مرعسس رادید ودر خانہ شد (۳)

مگر ان کی دیوانگی بے عقلی کی دیوانگی نہیں بلکہ مستی عقل سے ان پر ایک نشہ سوار ہے یہ وہ دیوانگی ہے جس پر ہزار عقلیں قربان ہیں۔

اوگل سرخ ست تو خوش مخواں مست عقل است اوتو مجنونش مخواں (۴)

کوئی تو لے اس لیے نیند میں پڑا سو رہا ہے کہ روٹی نہیں ملی فاقہ گزر رہا ہے اور یہ اس لیے نیند میں ہے کہ کھا بہت گیا ہے۔ بہت کھانے سے بھی نیند آیا کرتی ہے۔ اسی طرح کوئی تو اس لیے مجنون ہے کہ اس کے پاس عقل نہیں اور کوئی اس لیے مجنون ہے کہ غلبہ عقل سے مست ہو گیا ہے۔ یہ لوگ مصالح (۵) کو مسالہ کی طرح پیس ڈالتے ہیں ان کی بڑی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ ایک کو راضی کرلیں۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند (۶)

(۱) مال واقتدار (۲) ''ہم اگر قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ اس ساقی ومحبوب حقیقی اور اس کی شراب محبت سے مست ہے'' (۳) ''وہ دیوانہ دراصل دیوانہ نہیں ہے جو سپاہی (کے ڈر سے لاٹھی چارج کے وقت) گھر چلا جائے'' (۴) وہ گل سرخ ہے تو اس سے خوش نہ ہو وہ عقل سے مست ہے تو اس کو مجنون نہ سمجھ (۵) مصلحتوں کو ایسے پیس دیتے ہیں جیسے مسالہ پیسا جاتا ہے (۶) ''بڑی مصلحت یہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک (اللہ رب العزت) کو لے لو''۔

مقصود سلطنت

یاد رکھو سلطنت خود مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود رضا حق ہے اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات ہوتی تو فرعون وہامان ونمرود وشداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں۔ حالانکہ وہ مردود ہیں معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضاء حق بھی ساتھ ساتھ ہو اور جس سلطنت میں رضاء حق نہ ہو وہ وبال جان ہے اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر بھی راضی ہیں اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔ آخر حضرت ابراہیم بن ادھم کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی پھر کیوں چھوڑ دی محض اس لیے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترک سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم ہر فن کے امام ہیں۔ حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں اور فقہاء میں فقیہ اور صوفیہ میں تو امام ہیں۔ ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے پھر دیکھ لو انہوں نے کیا کیا۔ جب رضاء حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کے الگ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصب خلافت کو قبول کریں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے مضر مقصود تھی تو ان کے لیے حکم ہے لاتلین مال یتیم ولا تقضین بین اثنین (۱) اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود رضائے حق ہے اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اسے منع کیا جائے گا حضرت ابوذرؓ تو اتباع احکام کا ارادہ بھی کرتے ہیں ان کو جب بھی قضاء وحکومت کی اجازت نہ دی گئی اور تم تو اتباع احکام کا بھی قصد نہیں کرتے۔ اس حال میں تم کو کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے چنانچہ دیکھ لو کہ جو لوگ ابھی تھوڑا زمانہ ہوا پنچائیت میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے ان کے کتنے فیصلے شریعت

(۱) ”آپ کسی یتیم کے مال کے متولی نہ بنیں اور دو آدمیوں میں فیصلہ نہ کرائیں۔ اتحاف السادۃ المتقین ۸/۳۱۸۔

کے موافق ہوتے تھے اور وہ خود اتباع احکام کتنا کرتے تھے حالت یہ تھی کہ خود لوگوں کے حقوق دبائے ہوئے ہیں اور پنچائیت میں فیصلے کررہے جن میں اکثر فیصلے خلاف شریعت ہوتے تھے۔ اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جاتی تو مخلوق کو کچا کھا جاتے تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس ظلم کی حالت میں تم کو سلطنت دے دیں گے۔ ارے اگر تم بادشاہ بن جاتے تو نہ معلوم مخلوق کا کیا حال ہوتا۔ بڑی خیر ہوئی کہ خدا نے گنجے کو ناخن ہی نہ دیئے اتنا ہی فرق دیکھ لو اپنے میں اور ان لوگوں میں جن کو خدا نے سلطنت دے رکھی ہے کہ تم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اہل سلطنت نے تمہارے ساتھ باوجود تمہاری اس مخالفت کے کیا برتاؤ کیا۔ اگر تم بادشاہ ہوتے اور اس وقت تمہارے ساتھ کوئی اس طرح مقابلہ سے پیش آتا جیسا تم اس وقت سلطنت کے ساتھ برتاؤ کررہے ہو تو نہ معلوم تم کتنوں کو پھانسی پر لٹکا دیتے اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ تم صرف سلطنت کو مقصود سمجھتے ہو۔ رضاء حق کو مقصود نہیں سمجھتے اس لیے تم کو خلاف شرع اقوال وافعال سے ذرا باک نہیں حالانکہ فقیر کا مقصود[1] پلاؤ ہے اگر رکابی بھی ساتھ میں مل گئی فبہا ورنہ صرف ڈھوبرے[2] جمع کرنے سے کیا فائدہ یہ تو نری حماقت ہے۔ خصوصاً پھوٹے ہوئے ڈھوبر[3] جمع کرنا تو سخت حماقت ہے لوگ تو پھوٹا ہوا بیل بھی نہیں لیتے۔ اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک شخص نے بیل خریدا تھا وہ موتنے لگا تو اس نے بیچنے والے سے کہا کہ اپنا بیل لے جاؤ ہم نہیں خریدتے یہ تو پھوٹا ہوا ہے۔ غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ جاہ سے دین اور دنیا دونوں کا ضرر ہوتا ہے۔ اس لیے عزلت میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے شہرت وجاہ حاصل ہو۔

شہرت بلا طلب

لیکن جس جاہ[4] سے ضرر ہوتا ہے یہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو اور جو

(۱) رضاء حق کو پلاؤ سے تشبیہ دی ہے اور سلطنت کو رکابی سے اور ظاہر ہے کہ پلاؤ بدون رکابی کے بھی مقصود ہے اور رکابی بدون پلاؤ کے بیکار ہے۔ اسی طرح رضاء حق بدون سلطنت کے بھی مقصود ہے اور سلطنت بدون رضاء حق کے بیکار محض ہے۔ خوب سمجھ لو۔ خصوصاً جب کہ سلطنت بھی ظلم و بے انتظامی کی سلطنت ہو وہ تو پھوٹی ہوئی رکابی کے مشابہ ہے۔ ۱۲ جامع (۲) صرف مٹی کے برتن جمع کرنے سے کیا فائدہ (۳) ٹوٹے برتن (۴) شہرت واقتدار۔

بدون طلب کے حاصل ہو وہ مضر نہیں ہوتی۔ اس میں خدا تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے اگر لوگ اس پر حسد کریں اور اس کو برا بھلا کہنے لگیں تو حق تعالیٰ اس کے دل کو قوی کر دیتے ہیں جس سے کوئی اذیت (۱) اس کے نزدیک اذیت نہیں رہتی۔ نیز ان مصائب سے جو باطنی ترقی ہوتی ہے حق تعالیٰ اسے قلب پر منکشف فرما دیتے اور ہر واقعہ کی حکمت پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ اب اسے کچھ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ خوش ہوتا ہے جیسے انسپکٹر اپنے عہدہ سے خوش ہوتا ہے۔ اگرچہ کبھی ڈاکوؤں کے مقابلہ میں گولی بھی لگتی ہے مگر باینہمہ (۲) اس عہدہ پر مبارک بادہی دی جاتی ہے اور گولی کھانے کے بعد بھی کوئی اس عہدہ کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ اس حالت میں ترقی کی امید ہوتی ہے۔ سو یہاں تو صرف امید ترقی پر گولیاں کھانا آسان ہو گیا اور جس کو مصیبت کی حالت میں اپنی ترقی محسوس ہو رہی ہو اس کا تو کیا حال ہوگا۔ پس طلب شہرت سے جو حاصل ہوتا ہے وہ تو دنیا و دین دونوں کے لیے مضر ہے اور بدون طلب کے جو جاہ حاصل ہو وہ مضر نہیں۔

اور اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا یاعبدالرحمن بن سمرة لاتسئل الامارة فانک ان اعطیتھا عن مسئلة وکلت الیھا وان اعطیتھا عن غیر مسئلة اعنت علیھا (۳)

اختلاط کا عظیم نقصان

اور ایک ضرر اختلاط میں یہ ہے کہ اس میں ذکر کا موقع نہیں ملتا اور فکر کا موقع تو بہت ہی کم ملتا ہے فکر تو اختلاط میں ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے تو یکسوئی اور تنہائی کی سخت ضرورت ہے اور فکر بہت بڑی چیز ہے حق تعالیٰ نے جہاں ذکر کا بیان فرمایا ہے وہاں فکر کو بھی ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ (۴) یاد رکھو

(۱) تکلیف (۲) اس سب کے باوجود (۳) ”اے عبدالرحمن بن سمرۃ حکومت کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تم سال کے بعد حکومت دیئے گئے تو تم کو اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر بدون سوال کے دیئے گئے تو تمہاری اعانت وامداد کی جائے گی“ الصحیح للبخاری:۸/۱۵۹، الصحیح لمسلم الامان: ۱۹/الامارۃ :۱۳، سنن ابی داؤد: ۲۹۲۹ (۴) زیادہ میل جول کا سخت نقصان (۴) آل عمران: ۱۲۸۔

تمام علوم واسرار کا ورود قلب پر فکر ہی کی برکت سے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ فکر کے بغیر علوم واسرار قلب پر نہیں آتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ورود علوم واسرار کی قابلیت بدوں فکر کے حاصل نہیں ہوتی۔ قلب علوم واسرار کے قابل فکر ہی سے ہوتا ہے پھر قابلیت کے بعد بدون فکر کے بھی علوم آنے لگتے ہیں اس وقت یہ حال ہوتا ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا(۱)

خلوۃ شب

جو شخص عرصہ تک فکر میں مشغول رہ چکتا ہے اس کے بعد اختلاط (۲) میں بھی اس کے دل پر اسرار وعلوم منکشف (۳) ہوتے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ تھوڑا بہت وقت خلوت کے لیے بھی رکھے اس لیے ہر سالک کے لیے ایک وقت خلوت (۴) کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا۔ آپ نے بھی اپنے لیے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ رات کو جب سب لوگ سوجاتے تھے اٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے حق تعالیٰ نے قیام لیل کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا۔ اس لیے رات کو اٹھنا چاہیے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ ٱلَّيۡلِ هِيَ أَشَدُّ وَطۡـٔٗا وَأَقۡوَمُ قِيلًا ﴿٦﴾ إِنَّ لَكَ فِي ٱلنَّهَارِ سَبۡحٗا طَوِيلٗا ﴿٧﴾ وَٱذۡكُرِ ٱسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ إِلَيۡهِ تَبۡتِيلٗا ﴿٨﴾ (۵) یعنی رات کے اٹھنے میں نفس پر مشقت بھی زیادہ ہے اور بات بھی اچھی طرح زبان سے نکلتی ہے تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے کے بعد نماز وغیرہ میں زبان سے ذکر وقرآن میں جو بات نکلتی ہے گویا دل سے نکلتی ہے آگے ارشاد ہے کہ دن میں آپ کو بہت شغل (۶) ہے اس لیے رات کو اٹھنا چاہیے اور اس وقت خدا کا ذکر کیجئے اور اسی کی طرف یکسو ہوجایئے۔ یہ خلوت شب تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بھر اختیار کیا اور نبوت سے پہلے چھ مہینہ تک رات دن آپ خلوت میں رہتے تھے اور

(۱) ''بغیر کتاب یعنی استاد کے اپنے دل میں انبیاء کے علوم کو پاتا ہے'' (۲) میل جول کی حالت میں بھی (۳) علوم کھلتے رہتے ہیں (۴) تنہائی (۵) المزمل: ۶۔۸ (۶) مصروفیت۔

غارحرا میں جاکر جو مکہ سے فاصلہ پر ہے تنہا رہتے ہیں۔

مثال خلوۃ

خلوت کی مثال ایسی ہے جیسے کنویں سے پانی بھر کر تھوڑی دیر کے لیے اس کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ پانی کی آمد زیادہ ہو اور اچھی طرح جمع ہوجائے اس کے بعد پھر بھرنے لگتے ہیں اگر کچھ دیر کنویں کو نہ چھوڑا جائے تو پھر گارا کیچڑ آنے لگتا ہے پانی شفاف نہیں آتا۔ اسی طرح جو لوگ ہر وقت اختلاط(۱) میں رہتے اور باتیں ہی بناتے رہتے ہیں انکا قلب خالی ہوجاتا ہے اور دل کا خالی ہوجانا بہت ہی برا ہے اس لیے چاہیے کہ ایک وقت خلوت کا ضرور ہو جس میں قلب انوار ذکر وفکر سے پر ہو جائے پھر اختلاط کے وقت علوم واسرار ظاہر ہوں گے اختلاط کے بعد پھر خلوت ہونی چاہئے تاکہ اختلاط سے جو انوار میں کمی ہوئی تھی وہ پوری ہوجائے اور جن لوگوں کا کوئی وقت خلوت کے لیے مخصوص نہیں ہوتا رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے بالکل خالی ہوجاتا ہے۔ پھر بجائے علوم واسرار کے ظلمانی اقوال ان کی زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ بزرگان دین جلوت میں جو اسرار وعلوم بیان کرتے ہیں وہ خلوت میں ان کی تلقی کرتے ہیں(۲)۔ اور گو یہ مسئلہ فی نفسہ اختلافی ہے کہ عزلت بہتر ہے یا اختلاط(۳)۔ بعض صوفیہ نے اختلاط کو ترجیح دی ہے اور وہ اس کے منافع بیان کرتے ہیں اور عزلت میں مفاسد بتلاتے ہیں بعض نے عزلت کو ترجیح دی ہے اور اس کے منافع بیان(۴) کئے ہیں اور اختلاط میں مضرتیں بتلاتے ہیں جس کا سب سے اچھا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں الوحدۃ خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدۃ(۵) یعنی نہ خلوت مطلقاً بہتر ہے نہ جلوت بلکہ ملنے والے بد ہوں تو ان سے علیحدگی اور خلوت ہی بہتر ہے اور نیک ہوں تو ان سے ملنا خلوت سے بہتر ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آج کل جو حالات واقع ہیں وہ مقتضی خلوت(۶) ہی کی ترجیح کو ہیں۔ میری رائے اس باب میں

(۱) لوگوں میں گھلے ملے رہتے ہیں (۲) تنہائی میں ان کو حاصل کرتے ہیں (۳) تنہائی بہتر ہے یا مل جل کر رہنا ہے (۴) فائدے (۵) مستدرک حاکم ۳/ ۳۴۳، الدرر المنثر ۃ:۱۷۰ (۶) ان کا تقاضہ یہ ہے کہ تنہائی ہی کو ترجیح دی جائے۔

یہاں تک ہے کہ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں سے ملنا خلوت سے ہر حال میں بہتر ہوگا۔

زیارتِ بزرگاں

مگر آج کل کبھی کبھی اپنے احباب کو ایک مشورہ دیا کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کو بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہوتا ہے وہ آئے دن سفر ہی میں رہتے ہیں آج ایک بزرگ کے پاس جارہے ہیں کل دوسرے بزرگ کے پاس ہیں ان کو منع کیا کرتا ہوں کہ بزرگوں سے بہت نہ ملا کرو۔ بس ایک اپنا بزرگ بنالو اور جم کر اس کے پاس رہو۔ اور اس کے پاس بھی زیادہ آمدورفت نہ کرو۔ بلکہ ایک دفعہ بہت سارہ لو پھر اپنے گھر بیٹھو۔ برس میں ایک دفعہ پھر مل لینا۔ ہر مہینہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ اور اس مشورہ کا راز یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے: الجلیس الصالح خیر من الوحدة (۱) اس کا مطلب یہ نہیں کہ جلیس صالح سے اختلاط کرنا ہر حال میں وحدت سے بہتر ہے بلکہ قاعدہ (۲) بلاغت کے موافق اس کا مطلب یہ ہے کہ جلیس صالح سے ملنا صلاح کے لیے مقصود ہے تو جب تک اس کے اختلاط سے صلاح حاصل ہو اسی وقت تک اُس سے ملنا وحدت سے بہتر ہے اور اگر کبھی بزرگوں کی زیارت سے بھی صلاح حاصل نہ ہو۔ بلکہ فساد بڑھنے لگے تو اُس وقت اختلاط صالح سے بھی منع کر دیا جائے گا۔ اب واقعات یہ ہیں کہ بعض لوگ تو بزرگوں کی زیارت کا نام کرتے ہیں اور مقصود سیر وسیاحت ہوتی ہے۔ تاکہ سیاحت سے تفریح حاصل ہو اور عمدہ عمدہ غذائیں کھانے کو ملیں۔ یہ مقصود تو اُن کو حاصل ہو جاتا ہے مگر باطن کا ضرر ہوتا ہے کیونکہ جب نیت درست نہیں تو بزرگوں سے فیض حاصل نہیں ہوتا پھر رات دن گشت سے اوراد میں خلل پڑتا ہے جس میں یہ لوگ اپنے کو سفر کی وجہ سے معذور سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سفر عذر کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔ اور مسافر وہی معذور ہے جو ضرورت کی وجہ سے سفر کرے۔ اور بعضوں کو

(۱) مستدرک حاکم: ۳/ ۳۴۳، الدررالمنشرۃ: ۱۷۰ (۲) وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب مسند الیہ مشتق ہو یا منعوت بنعمت ہو تو علت حکم مادۂ اشتقاق یا لغت ہوا کرتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ۔ والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما فالعلۃ السرقۃ ولعبد مؤمن خیر من مشرک فعلۃ الخیریۃ الایمان وامثال ذلک واللہ اعلم ۱۲ جامع۔

زیارت ہی مقصود ہوتی ہے۔ سیر و سیاحت کا قصد نہیں ہوتا۔ مگر یہ لوگ ایک مستحب کو ادا کرتے ہیں اور بہت سے فرائض میں خلل ڈالتے ہیں۔ چنانچہ بہت لوگ بزرگوں کے یہاں ہفتوں قیام کرتے ہیں اور اپنے کھانے کا خود انتظام نہیں کرتے۔ بزرگوں ہی کے سر پڑ جاتے ہیں وہ مروت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے مگر انتظام وغیرہ میں ان کو کلفت ضرور ہوتی ہے بعض دفعہ نمازیں قضا ہو جاتی ہیں اور جماعت کا خون تو ضرور ہوتا ہے بلاوجہ جماعت کو ترک کرنا کب مناسب ہے اگر سفر کا عذر کرو تو میں کہہ چکا کہ سفر وہی عذر ہے جو ضرورت سے ہو بلاضرورت سفر عذر نہیں عارف مسعود بک تو اس حال میں حج نفل سے بھی منع کرتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید[۱]

کیونکہ تم ایک حج نفل کے لیے بیسیوں نمازیں ضائع کرو گے۔ اور اد وتہجد میں خلل ڈالو گے جس سے بجائے ترقی کے تنزل کا اندیشہ ہے تمہارا حج (یعنی ترقی ۱۲) اسی میں ہے کہ اپنے گھر رہو اور معمولات وفرائض کو پابندی سے ادا کرتے رہو۔

ایک خرابی بزرگوں کی زیادہ زیارت میں یہ ہے کہ بعض دفعہ ان کی حالت سمجھ میں نہیں آتی۔ جیسے شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص ملنے گیا دیکھا ان کی گود میں ایک حسین لڑکا بیٹھا ہوا ہے اور سامنے شراب کی بوتل رکھی ہے۔ یہ شخص بدون تحقیق حال کے ان سے بدگمان ہو گیا حالانکہ وہ لڑکا ان کا بیٹا تھا اور بوتل میں کوئی شربت بصورت شراب تھا۔ لوگوں کے امتحان کے لیے انہوں نے یہ صورت اختیار کی تھی۔ تو بزرگوں کی ایسی حالت کے دیکھنے سے بعض دفعہ قلب میں انکار[۲] پیدا ہو جاتا ہے اور اہل اللہ سے انکار قلب میں پیدا ہو جانا سخت وبال کا باعث ہے جس سے بعض دفعہ ایمان سلب ہو جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد   تادل صاحب دلے نامد بدرد[۳]

بزرگوں پر انکار کرنا[۴] اور ان پر طعن کرنا عذاب کا سبب ہے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

---

(۱) ''یعنی جس حج کے تم طالب ہو وہ اس حالت میں بیت اللہ میں نہ ہوگا بلکہ اپنے گھر رہ کر ہوگا'' (۲) دل میں اعتراض پیدا ہو جاتا ہے (۳) کسی قوم کو اللہ اس وقت تک رسوا نہیں کرتا جب تک وہ کسی صاحب دل کو تکلیف نہ دے (۴) اعتراض کرنا۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   بادرد کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد(۱)

ایک خرابی یہ ہے کہ کہ اگر ایسی حالت دیکھ کر بزرگوں سے بداعتقادی نہ ہوئی اور حقیقت بھی منکشف نہ ہوئی تو یہ شخص خود بھی وہ کام کرنے لگتا ہے جس میں بزعم خود بزرگ کو مبتلا دیکھا تھا۔ ان کی گود میں تو اپنا بیٹا تھا یہ اجنبی لڑکوں سے اختلاط کرنے اور ان کے ساتھ ناجائز افعال کرنے لگتا ہے۔ بزرگ کے سامنے تو شربت کی بوتل تھی یہ سچ مچ شراب پینے لگتا ہے اس کا دین تو برباد ہوا تو جس پیر سے ایسے اعمال ظاہر ہوں جو تاویل کے محتاج ہوں۔ اس سے زیادہ نہ ملو۔ بلکہ ناقص العقل کے لیے تو فتویٰ یہ ہے کہ اس سے بالکل نہ ملے لوگ بزرگوں کی زیارت کو روٹی کا نوالہ سمجھتے ہیں مگر بعض دفعہ وہ لقمہ گلے میں ایسا پھنستا ہے کہ جان پر بن جاتی ہے۔ اہل اللہ پر مختلف حالات کا ورود ہوتا ہے جن کی حقیقت بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ ناسمجھ کا وہاں کام نہیں اس کا تو بڑا ہوجاتا ہے۔ مولانا ایسے ہی قول کے باب میں فرماتے ہیں۔

بیم سر یا بیم سر یا بم دین   امتحانے نیست مارا مثل ایں(۲)

اور اختلاف حالات کے متعلق فرماتے ہیں۔

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں   جز کہ حیرانی نباشد کار دیں(۳)

ان مختلف حالات کو دیکھ کر طالب حیران ہوجاتا ہے پھر بعض تو اس وقت بھی شیخ سے بداعتقاد نہیں ہوتے اور نہ خود ویسے اعمال کرتے ہیں بلکہ انکشاف حقیقت کے منتظر رہتے ہیں اور بعض یا تو شیخ سے بداعتقاد ہوگئے یا بدون کشف حقیقت(۴) کے تقلید کرنے لگے۔ ایک خرابی مختلف بزرگوں سے ملنے میں یہ ہے کہ شاید کوئی بزرگ اس کو اپنے پیر سے زیادہ نظر آگئے ان کی کوئی ادا پسند آجائے جس نے اس کو فریفتہ کردیا۔

---

(۱) ''اس مکافات کی دیا میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ جو کوئی بھی اہل درد سے الجھا وہ تباہ ہوا (۲) جان کا بھی خوف شغل باطن کا بھی خوف دین کا بھی خوف غرض ہم لوگوں کے لیے اس کے برابر کوئی امتحان نہیں (۳) اس شعر سے پہلے یہ شعر ہے کار بیچوں را کہ کیفیت نہد ایں کہ گفتم از ضرورت می فہد۔ دونوں اک ترجمہ یہ ہے اس یکتا کے کام کی کیفیت کون بیان کرے جو کچھ میں نے کہا ہے بضرورت کہا ہے کبھی یوں جلوہ آرا ہوتا ہے کبھی اس کے برعکس دین کا کام حیرت کے بغیر نہیں ہے (۴) حقیقت کو سمجھے بغیر تقلید شروع کردی۔

جیسے جہانگیر کو لڑکپن میں نور جہاں کی کہ وہ بھی اس وقت بچی تھی۔ اس کی ادا پر فریفتہ ہو گیا تھا کہ کسی میلہ میں شہزادہ بھی گیا تھا وہ بھی آئی تھی۔ شہزادہ کے پاس دو کبوتر تھے ہاتھ سے کوئی کام لینے کی ضرورت ہوئی اتفاقاً یہ سامنے موجود تھی۔ شہزادہ نے وہ دونوں کبوتر اس کے ہاتھ میں دے دیئے کہ ان کو تھامے رہو۔ جب جہانگیر فارغ ہوا تو ایک کبوتر ندارد، پوچھا کبوتر کیا ہوا۔ نور جہاں نے کہا اڑ گیا اس نے غصہ میں کہا کیسے اڑ گیا۔ نور جہاں نے دوسرے کو بھی چھوڑ دیا کہ ایسے اڑ گیا جہانگیر اس ادا پر سو جان سے فریفتہ ہو گیا۔ حالانکہ یہ بات اور زیادہ موجب غضب تھی کہ ایک تو گیا ہی تھا اس نے دوسرا بھی کھو دیا مگر دل کے آنے کا کچھ قاعدہ نہیں۔ بعض دفعہ یہ دل ایسی بات پر فریفتہ ہو جاتا ہے جو حقیقت میں قابل فریفتگی کے نہیں ہوتی اسی طرح ممکن ہے کہ آپ کو کسی بزرگ کی کوئی ادا پسند آ جائے کیونکہ اس کے کمالات ظاہر تھے۔ آپ کے شیخ کے کمالات مخفی تھے[۱]۔ وہاں تک نظر نہیں پہنچی۔ اب لگے دوسرے بزرگ سے بیعت ہونے وہ صاحب فراست تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کسی سے بیعت تو نہیں۔ اس نے اقرار کیا کہ جی ہاں فلاں بزرگ سے بیعت ہوں اب وہ خفا ہو گئے کہ پھر تم مجھ سے کیوں بیعت ہوتے ہو وہ تو بڑے کامل ہیں تم ان سے کیوں انحراف کرتے ہو جاؤ میں تم کو بیعت نہ کروں گا۔ اب دونوں طرف سے راندہ گیا۔ اپنے شیخ سے تو اعتقاد نہ رہا۔ اس لیے وہاں سے فیض بند ہو گیا اور دوسرے نے بیعت نہ کیا۔ وہاں سے بھی محروم رہا۔ اور اگر دوسرے نے بیعت بھی کر لیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو فلاں شخص سے بیعت تھا اس نے مجھے دھوکہ دیا کہ یہ بات مجھ سے ظاہر نہ کی تو اب بعد میں وہ اس سے خفا ہو گئے اور بیعت فسخ کر دی پھر بھی دونوں جگہ سے منہ کالا ہوا۔ اور ایک خرابی مختلف بزرگوں کے ملنے میں یہ ہے کہ کسی وقت دوسرے بزرگوں کے مریدوں سے یہ اپنے شیخ کی تعریف کرنے لگتا ہے۔ اس کے جواب میں وہ اپنے شیخ کے فضائل بیان کرتے ہیں پھر یہ اپنے شیخ کے کمالات ظاہر کرتا ہے وہ اس کے جواب میں اس کے شیخ کے عیوب بیان کرتے ہیں۔ یہ ان کے شیخ میں عیوب نکالتا ہے اب تبرا[۲] ہونے لگا اور شیعہ سنیوں کی طرح پارٹی بندی

(۱) پوشیدہ (۲) ایک دوسرے پر الزام تراشی۔

ہوگئی۔ جس کے مفاسد ظاہر ہیں محتاج بیان نہیں۔ پس آج کل مختلف بزرگوں کی زیارت میں صلاح حاصل نہیں ہوتی بلکہ فساد بڑھتا ہے اس لیے میں بعض لوگوں کو اس سے منع کیا کرتا ہوں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اپنے پیر کے پاس بھی کم جاؤ زیادہ نہ لپٹو۔ کیونکہ گاہے گاہے خاص اوقات میں اس کے پاس جاؤ گے تو اس کو ذکر میں مشغول دیکھو گے رزانت ومتانت کی حالت میں پاؤ گے اس سے اعتقاد بڑھے گا اور ہر وقت لپٹے رہو گے تو کبھی ہگتے دیکھو گے کبھی موتتے ہوئے کبھی تھوکتے سینکتے دیکھو گے اس سے تمہیں اعتقاد کم ہوگا ہاں عقلا کو ان حالات کے مشاہدہ سے اعتقاد بڑھتا ہے کیونکہ وہ جانیں گے کہ یہ شیخ فرشتہ نہیں بشر ہے مگر بشر ہو کر بے شر ہے(۱) تو بڑا کامل ہے۔ اور ناقص العقل کبھی شیخ میں اور اس کی بیوی میں لڑائی جھگڑا دیکھے گا اس کا ان باتوں سے اعتقاد کم ہوگا اگر اعتقاد بھی کم نہ ہو تب بھی ہر وقت نہ لپٹو کیونکہ آخر شیخ کو بھی تو اپنے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ زیادہ لپٹنے سے اس کو کدورت ہوگی۔ اور شیخ کو مکدر کرنا طالب کے لیے مضر ہے۔ اس کی رعایت بہت ضروری ہے کہ جس کے پاس جاؤ ایسے وقت میں جاؤ کہ اس وقت تمہارے جانے سے اس کو کدورت نہ ہو(۲)۔

آداب عیادت

فقہاء نے تو اس کی یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے کسی دن میں عیادت کو منحوس سمجھتا ہو تو اس کی عیادت کو اس دن نہ جاؤ کیونکہ اس سے اس کو وحشت ہوگی اب بعض خشک مولوی اس مذاق کے ہیں کہ نہیں اسی دن جانا چاہیے اور اس کے عقیدہ کی اصلاح کرنا چاہیے۔ سبحان اللہ اصلاح عقیدہ کا وقت بھی یہی رہ گیا ہے۔ یاد رکھو اُس دن میں جانے سے جب پہلے ہی اس کو توحش ہوجائے گا تو وہ تمہاری بات پر توجہ بھی نہ کرے گا اصلاح کا طریقہ بھی یہ ہے کہ دوسرے دن جاؤ اور باتوں باتوں میں اس کے عقیدے کی اصلاح کردو۔ واقعی حضرات فقہا کا وجود بھی امت کے لیے رحمت ہے۔ مسلمانوں کو تکدر اور وحشت سے بچانے کا کتنا خیال کیا ہے کہ عیادت میں جاہلانہ عقائد کی بھی رعایت کی ہے کہ جس دن میں جہلاء عیادت کو منحوس سمجھتے

(۱) شر سے خالی ہے (۲) رنجیدہ نہ ہو۔

ہوں اس دن عیادت نہ کرو ورنہ وہ عیادت ایسی ہوگی جیسے ایک بہرہ اپنے دوست کی عیادت کو گیا تھا وہ اس کی صورت ہی دیکھ کر پریشان ہوگیا کہ یہ کمبخت کہاں آمرا۔ اپنی سب کہے گا اور میری کچھ نہ سنے گا۔ چنانچہ بہرہ نے مزاج پرسی کی کہ اب کیا حال ہے۔ مریض نے جھلا کر کہا کہ مر رہا ہوں۔ وہ سمجھا یوں کہتا ہے اب افاقہ ہے تو آپ فرماتے ہیں الحمدللہ۔ پھر پوچھا کہ آج کل کون سی دوا استعمال میں ہے۔ مریض نے کہا کہ زہر پی رہا ہوں۔ آپ سمجھے کہ کسی دوا کا نام لیا ہوگا۔ تو فرمایا خدا اسے رگ رگ میں پیوست (۱) کرے۔ پھر پوچھا کون سے حکیم کا علاج ہے۔ مریض نے کہا ملک الموت کا بہرہ نے جواب دیا کہ خدا ان کے قدم کو مبارک کرے بڑے اچھے طبیب ہیں تو بتلایئے۔ ایسی عیادت سے کیا نفع جس سے مریض کو بجائے تسلی کے وحشت ہو۔ اس لیے عیادت کے واسطے وہ لوگ جائیں جن سے مریض کو انس ہو اور ان کے جانے سے تسلی ہو۔ ایسے لوگوں کی عیادت سے واقعی مرض میں تخفیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بار کانپور میں مجھے والد صاحب کا خط ملا کہ میں آج کل ایک ضرورت سے الہ آباد آیا تھا یہاں مجھ کو بخار ہوگیا ہے۔ میں خط دیکھتے ہی الہ آباد گیا پس میرے جاتے ہی والد صاحب بالکل اچھے ہوگئے تو عیادت کے لیے صرف ایسے لوگوں کو جانا چاہیے جن سے مریض کو انس (۲) ہو اور دوسرے لوگ جائیں بھی تو وہاں جا کر زیادہ باتیں نہ بنانی چاہئیں۔ اس سے مریض کو وحشت ہوتی ہے پس مزاج پرسی کر کے تھوڑی دیر بیٹھیں پھر اپنے کام میں لگیں۔ مگر آج کل عادت یہ ہے کہ مریض کے پاس گھنٹوں بیٹھتے اور باتیں بناتے ہیں جس سے اس غریب کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہ اپنے گمان میں اس پر احسان کر رہے ہیں۔ افسوس غیر مسلموں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی سے ملنے جاتا ہے تو وہ پوچھ لیتا ہے کہ آپ کو کچھ کہنا ہے اگر کہنا ہوا تو فوراً سن لیا اور جو کچھ کہنا نہ ہوا تو فوراً رخصت کر دیتے ہیں مگر ہمارے یہاں کوئی ایسا کرے تو کمبختی آجائے طعن و تشنیع ہونے لگے اور اس کا راز یہ ہے کہ ہم لوگوں کو کوئی کام نہیں اس لیے وقت کی بھی قدر نہیں۔

(۱) رگ رگ میں پہنچا دے (۲) محبت۔

اجتماعی تعزیت

الغرض تعزیت میں ان لوگوں کو جانا چاہیے جن سے وارثوں کو تسلی ہو۔ باقی لوگوں کو خط سے تعزیت کرنا چاہیے۔ مگر آج کل قاعدہ یہ ہے کہ جہاں برادری میں کوئی مرا۔ چاروں طرف سے گاڑیاں لے کر برادری والے اس کے یہاں ذحقبہ (۱) ڈالتے ہیں۔ اس بیچارہ کو ایک غم تو اپنے عزیز کے مرنے کا تھا دوسرا غم ان زندوں کے کھلانے پلانے کا ہوتا ہے۔ پھر گاڑیوں کے گھاس دانے کا الگ تردد۔ یہ بھی کوئی انسانیت ہے ضلع بلند شہر میں بھی یہی رواج تھا کہ چالیسویں کے دن میت کے گھر ساری برادری جمع ہوتی تھی۔ ایک رئیس زادے نے اس کا خوب علاج کیا۔ اس کے والد کے انتقال کے بعد جب موقع پر ساری برادری جمع ہوئی۔ اسے ناگوار ہوا کہ مجھے ایک تو والد کا غم تھا دوسرا غم برادری کے کھلانے پلانے کا سر پڑا۔ اس نے ملامت کے خوف سے عمدہ عمدہ کھانے تو پکوائے اور سارا انتظام کیا جب کھانا تیار ہو گیا اور برادری کے لوگ کھانے کے واسطے بیٹھے اس وقت رئیس زادہ نے سب کو خطاب کرکے کہا کہ مجھے آپ حضرات سے ایک بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ سب صاحبوں کو معلوم ہے کہ میرے سر پر سے والد صاحب قبلہ کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ اور اس کا جتنا رنج وغم بیٹے کو ہوتا ہے سب جانتے ہیں تو اس حالت میں میری ایک ہمدردی کرنا چاہیے کیا یہی ہمدردی ہے جو آپ لوگ کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ میں تو غم میں مبتلا اور آپ پلاؤ زردہ کھانے کے واسطے تیار۔ بس مجھے جو کہنا تھا کہہ چکا۔ اب بسم اللہ کیجئے۔ لوگوں نے کہا تم نے جوتے تو پہلے ہی کھلا دیئے۔ اب کھانا خاک کھاویں۔ یہ کہہ کر سب لوگ دسترخوان پر سے اٹھ گئے اور دوسرے مکان میں ہو کر ان کی کمیٹی ہوئی کہ واقعی یہ رسم بہت واہیات ہے اس کو توڑنا چاہیے۔ چنانچہ طے ہو گیا کہ میت کے گھر تعزیت کے لیے سب کو جانے کی ضرورت نہیں۔ خاص خاص عزیزوں کو جانا چاہیے اور برادری والے جائیں بھی تو تعزیت کرکے فوراً واپس چلے آئیں۔ وہاں کھانا نہ کھائیں یہ طے کرکے سب چلے اور وہ کھانا غرباء کو کھلایا گیا۔

سالک کے لیے تنبیہ

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ شیخ کے پاس ایسے وقت میں جانا

(۱) ڈیرہ ڈالتے ہیں۔

چاہیے جس میں تمہارا جانا اس پر گراں نہ ہو بزرگوں کو زیادہ لپٹنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ بعض دفعہ ایسی حرکات تم سے صادر ہوں گی جن سے ان کو انقباض (۱) ہوگا۔ تھوڑی دیر پاس بیٹھنے میں تو تم اپنی حرکات کی نگہداشت کر سکتے ہو اور ہر وقت پاس رہنے میں اس کی رعایت دشوار ہے اور اہل اللہ میں چونکہ لطافت زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان کو بعض ایسی حرکات سے انقباض ہوجاتا ہے۔ جن کو تم معمولی بات سمجھتے ہو۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مرید سال میں دو دفعہ آیا کرتا تھا۔ ایک بار ان سے عرض کیا کہ حضرت مجھے حاضر خدمت ہوتے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا آپ نے مجھ سے کوئی فرمائش نہیں فرمائی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کوئی فرمائش کریں اور میں اس کو پورا کروں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ بھائی تم محبت سے مل لیتے ہو۔ بس یہی کافی ہے۔ فرمائش کی کیا ضرورت ہے اس نے پھر اصرار کیا تو فرمایا کہ تمہارے اصرار کے بعد میں ایک فرمائش کرتا ہوں برا نہ ماننا اس نے کہا حضرت میں تو غلام ہوں میری کیا مجال کہ حضرت کی فرمائش سے برا مانوں خصوصاً جب میرے اصرار ہی سے آپ فرما رہے ہیں فرمایا بھائی میری تم سے یہ فرمائش ہے کہ تم سال میں دو دفعہ آیا کرتے ہو اب سے ایک دفعہ آیا کرو۔ کیونکہ تم کھاتے بہت ہو تمہارے کھانے کو دیکھ کر میرے پیٹ میں گڑ بڑ ہونے لگتی ہے پھر جب تک مسہل (۲) نہیں لے لیتا اس وقت تک طبیعت درست نہیں ہوتی تو سال میں ایک بار مسہل لینا (۳) تو آسان ہے مگر دو دفعہ مشکل ہے۔ کیا ٹھکانا ہے لطافت کا کہ دوسرے کو زیادہ کھاتے ہوئے دیکھ کر آپ کے پیٹ میں گڑ بڑ ہونے لگتی تھی۔ چاہے کھانے والے کو خاک بھی اثر نہ ہوتا ہو۔ اسی طرح ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ان کے پاجامہ میں سلوٹیں ایک طرف کم تھیں ایک طرف زیادہ پڑی ہوئی تھیں۔ مرزا صاحب کی نظر جو سلوٹوں پر پڑی پریشان ہوگئے۔ اتنے تو نازک تھے مگر اسی کے ساتھ آپ کے عدل کی یہ حالت تھی کہ ایک مرید سے آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو ہمارے پاس نہیں لاتے وہ بیچارہ کچھ بہانے کر دیتا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ مرزا صاحب بہت نازک مزاج ہیں اور بچے شوخ ہوتے ہیں

(۱) دل گھٹے گا (۲) دست آور دوا (۳) سال میں ایک دفعہ دستوں کی برداشت ہوسکتی ہے زیادہ کی نہیں۔

ایسا نہ ہو کہ ان کی کسی حرکت سے آپ کو تکلیف پہنچے جب آپ نے کئی بار تقاضا کیا تو تین چار دن ٹال کر وہ اپنے بچوں کو لائے اور اس عرصہ میں ان کو خوب تعلیم دی کہ اس طرح سر جھکا کر بیٹھنا یوں ادب کرنا۔ مجلس میں ادھر ادھر نہ دیکھنا۔ بچوں نے اسی طرح کیا کہ سلام کر کے بت کی طرح خاموش بیٹھ گئے۔ نہ نگاہ اوپر اٹھائی نہ کوئی بات کی۔ اب مرزا صاحب ان کو کھولنا چاہتے ہیں تو کھلتے نہیں۔ مرزا صاحب نے مرید سے فرمایا کہ میاں تم آج بھی اپنے بچوں کو نہ لائے اس نے عرض کیا حضرت یہ حاضر تو ہیں۔ فرمایا یہ بچے ہیں یہ تو تمہارے بھی ابا ہیں۔ بچے تو کھیلتے ہیں کودتے ہیں شوخیاں کرتے ہیں کوئی ہماری ٹوپی اتارتا کوئی کمر پر سوار ہوتا بچے تو ایسے ہوتے ہیں۔ اور یہ تو تمہارے بھی ابا بن کے بیٹھ گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نازک نہیں ہیں بلکہ لطیف المزاج ہیں اور لطافت میں خلاف اعتدال حرکات ناگوار ہوا کرتی ہیں اور بچوں کی شوخی اعتدال کے خلاف نہیں کیونکہ بچپن کا مقتضاء (۱) یہی ہے کہ بچہ بچوں کی طرح شوخ ہو۔ باوا دادا کی طرح متین نہ ہو۔ اس لیے یہاں آپ کو شوخی ہی پسند تھی متانت پسند نہ تھی۔ غرض اہل اللہ میں چونکہ ذکر اللہ سے طاقت بڑھ جاتی ہے اس لیے ان کو لوگوں کی بے ڈھنگی حرکت سے انقباض ہوتا ہے اور جب شیخ کو انقباض ہوگا تو اس کا قلب تم سے مکدر ہوجائے گا اور شیخ کی مثال پرنالہ جیسی ہے اگر پرنالہ میں گارا کیچڑ بھر دو گے تو پانی بھی گدلا آئے گا اسی طرح جب تم شیخ کو مکدر کردو گے تو فیض بھی مکدر ہو کر آئے گا۔ اس لیے اپنے شیخ کو بھی زیادہ نہ لپٹنا چاہیے۔ ایک ضرر (۲) شیخ کو زیادہ لپٹنے سے یہ ہوتا ہے کہ تم نے بزرگوں کے قصے دیکھے تھے کہ فلاں بزرگ رات میں سو رکعتیں پڑھتے اور اشراق کی اتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور دن رات میں اتنا ذکر کرتے تھے۔ زیادہ اختلاط سے تم نے اپنے شیخ کو ویسا نہ پایا تو اب تم شیخ سے ضعیف الاعتقاد ہو گئے۔ حالانکہ تم کو اپنے شیخ کے سامنے کسی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہیے تھا۔

عظمتِ شیخ

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی مجلس میں جنید و شبلی ہوں

(۱) تقاضہ یہی ہے (۲) نقصان۔

اور حاجی صاحب بھی ہوں تو ہم تو جنید وشبلی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ بس حاجی صاحب ہی کی طرف اپنی نگاہ رکھیں۔ ہاں حاجی صاحب کا جی چاہے وہ ان کی طرف دیکھیں ہم تو کسی کی طرف بھی نہ دیکھیں گے۔ سبحان اللہ یہ حضرات ہیں شیخ کی قدر جاننے والے۔

جب میں مکہ معظّمہ گیا تو حاجی صاحب کی مجلس کے سوا میں کہیں نہ جاتا تھا۔ اس وقت خلیل پاشا بہت بڑے بزرگ وہاں موجود تھے۔ حاجی صاحب بھی ان کی تعریف فرماتے تھے۔ مگر میں کبھی ان کی خدمت میں نہیں گیا۔ ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ مجھ سے کہہ رہیں ہیں کہ تم خلیل پاشا سے ملنے نہیں گئے۔ میں نے کہا کہ شیوخ طرق ہیں (۱) اور طرق کی مثال ایسی ہے جیسے کراچی اور بمبئی مکہ پہنچنے کے لیے۔ تو اب جو شخص کراچی بندر سے سوار ہو اس کو بمبئی کے بندر (۲) پر آنے کی کیا ضرورت ہے اور جو بمبئی کے بندر سے سوار ہو اس کو کراچی جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مقصود تو کعبہ ہے اس کے لیے کسی ایک بندر سے سوار ہونا کافی ہے۔ اسی طرح مقصود وصول الی اللہ ہے اس کے لیے ایک شیخ کی صحبت کافی ہے۔ دنیا بھر کے شیوخ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے اس جواب پر وہ بزرگ خاموش ہو گئے۔ تو جس طرح اپنے شیخ کے ہوتے ہوئے دوسرے شیوخ اخیار (۳) کی طرف التفات خلاف ادب ہے اسی طرح شیوخ اموات کی طرف التفات بھی مضر ہے۔ اور اپنے شیخ کے حالات کو ان کے حالات سے موازنہ کرنا تو بہت ہی حماقت ہے مگر کثرت اختلاط میں بعض لوگ اپنے شیخ کے اعمال کو پہلے بزرگوں کے اعمال سے موازنہ کرنے لگتے ہیں۔ یہ طالب کے لیے بہت مضر ہے۔

آدابِ صحبت

بزرگوں کی صحبت کے آداب سلاطین کی صحبت سے بھی زیادہ ہیں۔ کیونکہ سلاطین تو اپنی سلطنت کے بقاء کے لیے بعض دفعہ اہل دربار کی رعایت بھی کرتے ہیں کہ مبادا یہ ہم سے برگشتہ (۴) ہو کر کسی دوسرے کو بادشاہ نہ بنالیں۔ نیز سلاطین میں بزرگوں کے برابر لطافت بھی

---

(۱) وصول الی اللہ کا راستہ ہیں (۲) جو کراچی بندرگاہ سے سوار ہوا اس کو بمبئی کی بندرگاہ جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں راستوں سے جدہ ہی پہنچے گا جب ایک راستہ اختیار کرلیا اور دوسرے کی طرف توجہ کی کیا ضرورت ہے (۳) بہترین مشائخ کی طرف متوجہ ہونا خلاف ادب ہے (۴) ناراض۔

نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کو اہل دربار کی بعض حرکتوں پر التفات بھی نہیں ہوتا۔ اور اہل اللہ کو نہ کسی کا خوف ہے بجز خدا کے نہ کسی کا ان پر دباؤ ہے اور لطافت ان میں بہت ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی صحبت کے آداب بہت سخت ہیں جو ان آداب کی رعایت نہ کرسکے اس کو بزرگوں کے زیادہ اختلاط سے (۱) منع کیا جائے گا۔ اور جب بزرگوں سے زیادہ اختلاط کرنا بھی مضر ہوتا ہے تو اشرار (۲) سے اختلاط تو کیوں مضر (۳) نہ ہوگا۔ بس سالک کو اکثر اوقات عزلت (۴) میں رہنا چاہیے۔ ہاں جس شخص کی صحبت میں دین ہی دین ہو۔ صلاح ہی صلاح ہو فساد کا بالکل اندیشہ نہ ہو اس سے ملنے کا مضائقہ نہیں۔ بلکہ ایسی جلوت خلوت سے بہتر ہے اور جس کے اختلاط میں فساد کا کچھ بھی اندیشہ ہو اس سے نہ ملے حتیٰ کہ اگر اپنے شیخ کی مجلس میں بھی غیبت ہونے لگے فوراً اٹھ جاؤ جیسے بارش عمدہ چیز ہے اور اس میں نہانا مفید بھی ہے مگر اولے پڑنے لگیں تو بھاگنا ہی چاہیے۔ اسی طرح شیخ کی باتیں بارش کے مشابہ ہیں اور غیبت وغیرہ اولے کے مشابہ ہے۔ جب تک بارش ہی بارش ہو جمے رہو اور جب اولے پڑنے لگیں تو بھاگو۔

محاسن اعتکاف

جب آپ کو کثرت اختلاط کے مفاسد اور قلت اختلاط (۵) کے منافع معلوم ہو چکے تو اب سنئے کہ شریعت نے قلت اختلاط (۶) کی کیا صورت تجویز کی ہے۔ شریعت نے قلت اختلاط کی صورت اعتکاف تجویز کی ہے اور رمضان میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے چنانچہ عشرہ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اس لیے رمضان سے اس کو بھی خاص تعلق ہے۔ بہرحال تقلیل اختلاط کی یہ ایسی صورت ہے کہ کوئی صاحب ریاضت اس کی نظیر نہیں دکھلاسکتا۔ اعتکاف میں نہ وہ غوائل ہیں جو خلوت محضہ (۷) میں ہیں نہ وہ غوائل ہیں جو اختلاط صرف میں ہیں۔ کیونکہ معتکف خلوت میں بھی ہے اور جلوت میں بھی۔ یہ ریاضت خلوت وجلوت دونوں کو جامع ہے ایسی ریاضت جو دونوں کو جامع ہو کسی صاحب ریاضت کے خواب میں بھی نہ آئی ہوگی۔ اہل اختلاط نے عزلت (۸) میں ایک خرابی یہ بتلائی

(۱) میل جول (۲) شرارتی لوگوں سے (۳) نقصان دہ (۴) تنہائی (۵) میل جول بڑھانے کا نقصان اور تنہائی کے فوائد (۶) میل جول میں کمی کی کیا صورت (۷) نہ وہ نقصانات ہیں جو خلوت میں اور نہ ہی وہ نقصانات ہیں جو جلوت میں ہیں (۸) تنہائی۔

تھی کہ اس سے تعلیم و تعلم کا باب مسدود (۱) ہوتا ہے تو یہ خرابی اعتکاف میں نہیں۔ کیونکہ معتکف کو تعلیم و تعلم سے منع نہیں کیا گیا اور چونکہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے جہاں اہل علم آتے رہتے ہیں اس لیے معتکف کو تعلیم و تعلم میں کوئی دقت بھی نہیں ہوسکتی۔ ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت میں جماعت کے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے اعتکاف اس سے بھی منزہ (۲) ہے کیونکہ اعتکاف کے لیے مسجد جماعت شرط ہے۔ معتکف سے زیادہ تو جماعت کا ثواب کسی کو مل ہی نہیں سکتا۔ وہ تو ہر نماز میں تکبیر اولیٰ کو پاتا ہے اور ہر وقت جماعت کے انتظار میں رہتا ہے۔ اور انتظار جماعت کا ثواب بھی جماعت کے برابر ہے۔ ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت میں بزرگوں کے فیض سے محروم ہوجاتا ہے۔ اعتکاف اس سے بھی منزہ ہے کیونکہ یہ شخص پانچوں وقت نمازیوں سے ملتا ہے جن میں بعض اولیاء بھی ہوتے ہیں۔ ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت میں صرف اپنے اعمال پیش نظر ہوتے ہیں جس سے عجب و کبر کا اندیشہ ہے۔ اور اختلاط میں اپنے سے افضل کے اعمال پر نظر پڑتی ہے تو تواضع پیدا ہوتی ہے۔ اعتکاف میں یہ غائلہ (۳) بھی نہیں کیونکہ مسجد میں بہت لوگ نماز کے لیے آتے ہیں جن میں بعضے بہت عبادت کرنے والے ہوتے ہیں معتکف کی نظر ان کے اعمال پر بھی پڑتی ہے تو کبر و عجب پیدا نہیں ہوسکتا۔ ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت سے شہرت ہوجاتی ہے اعتکاف میں یہ بات بھی نہیں کیونکہ معتکف کسی پہاڑ کی کھو میں نہیں بیٹھتا۔ جس سے شہرت ہو بلکہ بستی کی مسجد میں بیٹھتا ہے جہاں سب سے ملاقات بھی ہوتی رہتی ہے اور اس کو عرفاً گوشہ نشینی اور عزلت گزینی نہیں شمار کیا جاتا۔ اس لیے معتکف کی شہرت بھی نہیں ہوتی ۔ ہر سال بیسیوں اعتکاف کرتے ہیں کوئی بھی بزرگ مشہور نہیں ہوتا۔ اسی طرح اعتکاف میں وہ غوائل بھی نہیں جو اختلاط صرف میں تھے۔

اختلاط میں ایک مضرت (۱) یہ تھی کہ اس میں اشرار (۲) کی صحبت بھی بعض دفعہ ہوتی ہے اور اشرار کی صحبت سے دین کا ضرر ہوتا ہے سو معتکف اس سے محفوظ ہے کیونکہ اشرار مسجد میں آتے ہی نہیں۔ مسجد میں نمازی آتے ہیں اور نمازی اکثر نیک ہوتے ہیں اور اگر بعضے بد بھی ہوں تو نماز کے وقت وہ نیک ہی بن جاتے ہیں اس لیے ان کی صحبت مضر نہیں ہوتی۔ پھر وہ صحبت طویل نہیں ہوتی ایسے لوگ مسجد میں نماز کے بعد ٹھہرتے ہی نہیں تو صرف نماز کے وقت میں تھوڑی دیر کی صحبت ہوتی ہے اور اس میں بھی اشرار شر سے خالی اور نیک کام میں مشغول ہوتے ہیں۔

---

(۱) دروازہ بند ہوجاتا ہے (۲) پاک ہے (۳) خرابی (۴) میل جول کا ایک نقصان (۵) شرارتی لوگوں۔

ایک مفسدہ یہ بتلایا گیا تھا کہ اختلاط میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے باتوں میں وقت برباد ہوتا ہے۔ معتکف اس سے بھی محفوظ ہے کیونکہ اس کے پاس باتیں کرنے والے آتے ہی نہیں مسجد میں نماز سے فراغت کے بعد ٹھہرتا کون ہے جو معتکف سے باتیں کرے۔ دوست احباب بھی گھر پر ہی آتے ہیں مسجد میں کوئی نہیں آتا۔ اس لیے معتکف سے باتیں بنانے کا موقع نہیں ملتا۔ اور کثرت کلام کے غوائل سے وہ محفوظ رہتا ہے اور ذکر وفکر وتلاوت نماز کے لیے اس کو بہت وقت ملتا ہے۔ ایک مفسدہ اختلاط میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس میں نگاہ کی حفاظت نہیں ہوتی معتکف اس سے بھی محفوظ ہے اس کے پاس نامحرم عورت کوئی نہیں آتی۔ اور مسجد میں امرد بھی کم آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ نماز کے بعد بھاگ جاتے ہیں۔ غرض معتکف سے ایسا اختلاط کسی کا نہیں ہوتا جو اس کا وقت ضائع ہو یا دوستی اور دشمنی پیدا ہو اور مزا یہ ہے کہ معتکف سے نماز کے وقت سب ملنے آتے ہیں یہ کسی سے ملنے نہیں جاتا اور ویسے بھی کسی کو اس سے ملنا ہو تو خود ہی آئے گا یہ کہیں نہیں جاتا۔ تو خوب آزاد رہتا ہے اور اس کی آزادی کی یہ حالت ہوتی ہے۔

نہ براشتر سوارم نہ چواشتر زیر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم (۱)

فضیلت اعتکاف

غرض اعتکاف ایسی عجب ریاضت ہے (۲) کہ خلوت وجلوت دونوں کے منافع (۳) اس میں موجود ہیں اور غوائل (۴) سے دونوں کے مبرا ہے۔ اس لیے شریعت میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

(ھو ای المعتکف) یعتکف الذنوب ویجزی له من الحسنات کعامل الحسنات کلھا(۵) رواہ ابن ماجه (الم اجد الحدیث فی "موسوعة اطراف الحدیث النبوی شریف" کہ معتکف گناہوں سے الگ رہتا ہے اس پر بظاہر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اعتکاف نہ کرے اور ویسے ہی گھر کو بند کر کے خلوت اختیار کرے وہ

---

(۱) "نہ میں اونٹ پر سوار ہوں نہ اونٹ کی طرح زیر بار ہوں نہ رعیت کا آقا ہوں اور نہ کسی آقا کا غلام" (۲) مجاہدہ (۳) فوائد (۴) نقصانات (۵) معتکف گناہوں سے بچا رہتا ہے اور جو نیکیاں اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا تو اس کو عاملین کے برابر ہی ثواب ملتا ہے جیسے جنازہ میں نہیں جا سکتا لیکن اس کی متابعت کا ثواب پاتا ہے۔

بھی گناہوں سے بچ سکتا ہے پھر اعتکاف کی اس میں کیا خصوصیت ہے اور اگر خصوصیت نہیں تو اس حکم کو بعنوان معتکف بیان کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ بقاعدہ بلاغت مسند الیہ مشتق میں مادۂ اشتقاق علت حکم ہوا کرتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ کف عن الذنوب کی علت اعتکاف ہے اور یہ مطلب بدون خصوصیت کے صحیح نہیں ہوسکتا۔ جواب یہ ہے کہ گناہوں کے ترک کرنے کی دو قسمیں ہیں اور ہر ایک کا جدا جدا حکم سو ایک ترک تو اصلی ہے یعنی گناہ کا عدم اصلی کے ساتھ منعدم ہونا اور ایک وہ ترک ہے جو عزم کے ساتھ ہو یعنی ترک کو قصد کے ساتھ متعلق کیا۔ سو اول قسم ہو تو کوئی ثواب نہیں ملتا اس لیے کہ ثواب اعتقاد قصد پر ہے دوسرے ایسے تروک تو غیر متناہی ہیں تو چاہیے ہر آن میں غیر متناہی اجر ملا کرے اور اس کا کوئی قائل نہیں اس کا التزام خلاف اجماع ہے اور دوسری قسم پر ثواب ہوتا ہے یعنی کسی معصیت کی طرف التفات ہو اور اس سے اپنے کو روک لیا اس پر ثواب ملتا ہے یہ قاعدہ تو عام ہے۔

خصوصیات اعتکاف

اب سمجھو کہ اعتکاف میں یہ تخصیص ہے کہ معتکف کو تمام تروک پر ثواب ملتا ہے گو وہ اس کے ذہن میں بھی نہ ہوں اور ان سے ان کے ترک کا قصد بھی نہ کیا ہو۔ بس یہ خصوصیت ہے اعتکاف میں جو مطلق خلوت میں نہیں جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہو (ای المعتکف) یعتکف الذنوب اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ویجزی لہ من الحسنات کعامل الحسنات کلھا یعنی جن حسنات پر یہ قادر تھا اور اعتکاف کی وجہ سے نہیں کرسکتا گو اس نے ان کی نیت بھی نہ کی ہو ان سب کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے (اور دلیل اس عموم کی الحسنات کلھا کا عموم ہے) پس جب معتکف کے لیے تمام حسنات کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس سے پہلے جملہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے تمام گناہوں سے بچنے کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے گو اس نے ان سے بچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور یہاں سے معلوم ہوگیا کہ اہل اختلاط نے جو عزلت میں یہ خرابی بیان کی تھی کہ اس کی وجہ سے آدمی خدمت خلق کے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے اعتکاف اس سے بھی بری ہے کیونکہ اس میں تمام طاعات

کا جن پر معتکف قادر تھا مگر اعتکاف کی وجہ سے نہ کرسکا ثواب ملتا ہے پس مطلق خلوت اعتکاف کے برابر نہیں ہے گو گناہوں سے بچنا اس میں بھی ممکن ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اعتکاف میں عبدیت زیادہ ہے کہ لوگ کمانے کھانے اور سیر وتفریح میں مشغول ہیں اور معتکف اپنے آقا کے دروازہ پر پڑا ہے اور زبان حال سے یوں کہہ رہا ہے۔

خسرو غریب است وگدا افتادہ در کوئے شما شاید کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری(۱)

اگر معتکفین اس شعر کے مضمون کو مستحضر رکھیں تو اعتکاف میں ان کو ایک خاص کیفیت حاصل ہوگی بلکہ گاہے گاہے اس شعر کو پڑھ لیا کریں تو اور اچھا ہے۔

غرض شریعت نے جو مجاہدہ بھی تجویز کیا ہے وہ نہایت عجیب ہے کہ منافع مجاہدہ کے اس میں سب مجتمع ہیں بلکہ مع شئ زائد اور غائلہ (۲) کچھ نہیں۔ بحمداللہ اب چاروں مجاہدات کا بیان ختم ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ رمضان میں مجاہدات اربعہ کی ایسی عجیب طرز سے رعایت کی گئی ہے کہ کسی صاحب ریاضت نے آج تک ایسی رعایت نہیں کی اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ بقیہ ایام میں ہم کو عمل کی توفیق دیں اور اگر روزہ وذکر وتلاوت قرآن وتراویح وغیرہ میں ہم سے کچھ کوتاہی ہوگئی ہو تو حق تعالیٰ بقیہ ایام میں اس کی تلافی کی ہمت عطا فرماویں۔ ابھی ایک رات اور باقی ہے جس میں شب قدر کا احتمال ہے کیونکہ شب قدر بعض قول پر رمضان کی تیسویں شب میں بھی ہوتی ہے۔(۳)

اہتمام شب قدر

اور اگر شب قدر نہ بھی ہو تب بھی رمضان کی رات تو ہے۔ اور رمضان کی ہر رات قابل قدر ہے اور اگر چاند بھی ہوجاوے تو شب عید تو ہے جس کے احیاء کو فقہاء

---

(۱)''خسرو ایک غریب آدمی ہے جو آپ کے دروازے پر فقیر کی طرح پڑا ہوا ہے شاید کہ اللہ واسطے آپ غریبوں پر نظر کرہی لیں'' (۲) فائدے سب جمع میں اور نقصان کچھ بھی نہیں (۳) کمافی النواوی وقیل تختص باوتار العشر وقیل باشفاعھا کمافی حدیث ابی سعیداہ والحدیث رواہ مسلم وفیہ فالتمسوھا من العشر الاواخر من رمضان التمسوھا فی التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ قال قلت یاابا سعید انکم اعلم بالعدد منا قال اجل نحن احق بذلک منکم قال قلت ما التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ قال اذا مضت واحدۃ وعشرون فالتی تلیھا ثنتین وعشرین وھی التاسعۃ فاذا مضی ثلث وعشرون فالتی تلیھا السابعۃ فاذا مضی خمس وعشرون فالتی تلیھا الخامسۃ الحدیث قلت وکذا اذا مضی سبع وعشرون فالتی تلیھا الثالثۃ واذا مضی تسع وعشرون فالتی تلیھا ھی الاولی فھذا تسع لیال واللہ اعلم ۱۲ منہ

نے مستحب فرمایا ہے کما فی الدر المختار۔ بلکہ رمضان اور عید کی کیا خصوصیت ہے۔ رات تو ہر اک ہی قابل قدر ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

اے خواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی(۱)

اس لیے اس رات میں جاگنا چاہیے اور اگر کسی کو خود جاگنا نہ آتا ہو تو کم از کم جاگنے والوں کے پاس ہی آپڑے ان کی حالت دیکھ کر چسکی ہوجائے گی پھر خود بھی جاگنا آسان ہوجائے گا اسی لیے مولانا نے اس جماعت کی مجاورت ہی کا مشورہ دیا ہے فرماتے ہیں۔

خواب را بگذار امشب ای پسر یک شبے در کوئے بے خواباں گزر(۲)

جن لوگوں کو تہجد کی عادت نہ ہو وہ چند روز خانقاہ میں آکر رہیں ان شاء اللہ بہت جلد عادت ہوجائے گی ایک بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ شب قدر میں تمام رات جاگنا لازم نہیں بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ شب قدر میں تمام رات جاگنا ضروری ہے جبھی اس کی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ شب قدر ایک خاص وقت کا نام ہے جس میں تجلی ہوتی ہے یہ صحیح نہیں بلکہ تمام رات کا ہر حصہ شب قدر ہے چنانچہ قرآن میں ہے هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ اور یہ جو حدیث میں آتا ہے۔من حرمها فقدحرم الخير كله (۳) وہ بھی ہماری ہی دلیل ہے کیونکہ محروم ہونا یہ ہے کہ کچھ نہ ملے اور اگر کچھ مل جائے تو وہ محروم نہیں جیسے سائل کو ایک روپیہ یا ایک پیسہ ہی مل جائے تو اس کو محروم نہیں کہہ سکتے پس اگر کوئی شخص تمام رات نہ جاگے بلکہ سحری ہی میں اٹھ کر صبح سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے اس سے بھی شب قدر کی فضیلت حاصل کر لی محروم نہیں ہوا چنانچہ شامی نے امداد سے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے۔

وقيل بساعة منه (باب) السنن والنوافل اور جو ہمت کر کے زیادہ جاگے بیشک اس کو زیادہ فضیلت حاصل ہوگی لیکن احیاء لیل کے لیے تمام رات جاگنا ضروری نہیں بلکہ بعض کو تو ساری رات جاگنا ممنوع ہے جن کو اس سے اپنے بیمار ہونے کا اندیشہ ہو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو طالبین جمع ہوتے تھے وہ سب کے سب دو بجے

---

(۱)" اے بھائی شب قدر کی نشانی کیا پوچھتے ہو ہر شب ہی شب قدر کی مانند ہے اگر تم اس کی قدر کرلو (۲) اے لڑکے آج کی رات نہ سو۔ ایک رات نہ سونے والوں کے کوچہ میں بسر کردے" (۳) لم اجد الحديث فی "موسوعة اطراف الحديث النبوی شريف"۔

رات کو جاگتے تھے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ بھی دو بجے اٹھنا چاہتے تو حاجی صاحب ان سے فرماتے کہ ابھی بہت رات ہے سو رہو۔ بس مولانا صبح کے قریب اٹھتے تھے کیونکہ بوجہ نازک مزاجی کے مولانا کو زیادہ جاگنا مضر تھا اس لیے حاجی صاحب دو بجے اٹھنے سے ان کو منع فرماتے اور ایسے ہی موقع پر حضرت حاجی صاحب یہ شعر پڑھ دیتے تھے۔

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں   گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم

یہ شعر حاجی صاحب ہی کا ہے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ زیادہ محنت کرنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ قاعدہ کے ساتھ کام کرنے سے نفع ہوتا ہے ایک شخص دو بجے سے جاگ کر ذکر میں مشغول ہو گیا مگر سر میں درد ہے کام میں جی نہیں لگا یا نیند کے جھونکے آرہے ہیں یہ مفید نہیں اس شخص کو تین بجے اٹھنا چاہیے۔ جب نیند خوب بھر جائے۔ اب جو یہ کام میں لگے گا دماغ تازہ ہوگا۔ توجہ بھی خوب ہوگی۔ اس سے نفع ہوگا شب قدر کے متعلق یہ ضروری مضمون تھا اس لیے بیان کر دیا۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور اس بیان کا نام تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقام تجویز کرتا ہوں۔ اور خیر مقام سے مراد مسجد ہے جیسے یہ وعظ لمبا ہے ایسے ہی اس کا نام بھی لمبا ہو گیا اور مجموعہ مواعظ اربعہ کا نام ابواب المجاہدہ رکھتا ہوں چونکہ یہ چاروں وعظ ایک ہی آیت کے متعلق ہیں اور ان میں مضمون بھی ایک ہی بیان ہوا ہے یعنی مجاہدہ کا اس لیے جو صاحب ان کو طبع کریں وہ سب کو یکجا طبع کریں۔ متفرقاً طبع نہ کریں کہ اس سے مضمون میں تشتت ہو جاوے گا اس سے پہلے بھی رمضان کے متعلق چند مواعظ یکجا ہی طبع ہوئے ہیں جن کا لقب ہفت اختر ہے چونکہ یہ وعظ چار ہیں اس لیے ان کا لقب عناصر اربعہ مناسب ہے کیونکہ ان میں مجاہدہ کے چار ارکان بیان ہوئے ہیں اور لغت میں ارکان وعناصر ہم معنی ہیں۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم خیر خلقه سیدنا محمد و علیٰ آلہ واصحابه اجمعین وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمی والحمدلله الذی بنعمته وجلاله تتم الصالحات

أخبار الجامعة

ماہ مارچ 2023ء

حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہٰذا کے رواں ماہ اسفار

- 23 فروری قاری طلحہ قدوسیؒ کے صاحبزادہ محترم محمود قدوسی صاحب کے ہاں گوجرانوالہ تقریب تکمیل قرآن کریم میں شرکت فرمائی۔
- 24 فروری مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ (رکن مجلس شوریٰ جامعہ ہٰذا) کے ہاں جامعہ حقانیہ ساہیوال خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اور سالانہ تکمیل قرآن کریم میں طلباء کو آخری سبق مکمل فرما کر دستار بندی فرمائی۔
- 27 فروری جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرکزی مسابقہ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے اراکین سے گزشتہ سال مسابقہ کے احوال سن کر آئندہ سال مسابقہ حفظ کے بارے اہم اُمور ترتیب دیئے جس کو جلد ہی اکابرین وفاق المدارس سے منظور فرما کر مدارس کو مطلع کر دیا جائیگا۔
- یکم مارچ قاری اکرام الرحمن (فاضل جامعہ ہٰذا) کی دعوت پر کوٹ ادو سالانہ محفل حسن قراءۃ میں تلاوت اور طلباء سے خصوصی خطاب فرمایا۔
- 4 مارچ جامعہ مفتوحہ للمسلمات اعوان ٹاؤن لاہور دن 10 بجے 18 طالبات کی تکمیل حفظ قرآن کریم فرما کر طالبات و معلّمات کو علوم القرآن الکریم کے موضوع پر خطاب فرما۔ اور مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی مدظلہ العالی نائب مہتمم جامعہ ہذا نے بعد نماز ظہر بخاری شریف کا آخری سبق مکمل فرما کر طالبات و معلمات کو مبارکباد پیش فرمائی۔
- 4 مارچ رات مولانا عادل صاحب کے جامعہ حقانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں سالانہ جلسہ تقریب تکمیل حفظ و تجوید قراءۃ میں تلاوت کے بعد کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔
- 5 مارچ سادہ آرائیاں ٹوبہ ٹیک سنگھ تقریب تکمیل حفظ القرآن الکریم میں شرکت فرمائی۔

❁ 7 مارچ دارارقم کے 2200 طلباء کی تکمیل قرآن کریم کے موقع پر ایوان اقبال لاہور تقریب میں شرکت فرما کر تلاوت اور طلباء کو انعامات سے نوازا۔ اور 7 مارچ مولانا سعید صاحب خطیب گول مسجد اوکاڑہ کے ہاں سالانہ محفل قراءۃ میں شرکت فرما کر تلاوت اور حفظ مکمل کرنے والے خوش نصیب طلباء کی دستار بندی فرمائی۔

❁ 9 مارچ جامعہ ہٰذا کی شاخ دارالفلاح میں 4 طلباء کو حفظ کا آخری سبق کہلوا کر حفظ مکمل کروایا۔

❁ 10 مارچ کراچی کے مدارس کے طلباء کے درمیان حفظ کے مسابقات میں ججمنٹ فرمائی جس میں ایک نشست جامعہ تعلیم القرآن والسنہ منظور کالونی میں 8 طلباء اور 11 مارچ جامعہ فاروقیہ میں 10 طلباء۔ پھر 12 مارچ جامعہ سراجیہ میں 10 طلباء کے مابین مسابقہ حفظ ہوا۔

❁ 14 مارچ مدرسہ رحیمیہ شیخوپورہ کی تقریب تکمیل قرآن کریم میں شرکت فرما کر طلباء کی دستار بندی فرمائی۔

❁ 15 مارچ قاری عبدالغفار ڈیروی صاحب کے آبائی علاقہ ڈیرہ غازیخان میں دو تقریبات میں شرکت فرما کر کامیاب طلباء کی دستار بندی فرمائی اور حضرت قاری عبدالرحمن ڈیرویؒ سابق استاذ جامعہ ہٰذا کی عظیم خدمات کو خراج تحسین پیش فرماتے ہوئے بلندئ درجات کی دعا فرمائی۔

❁ 18 مارچ باگڑیاں ٹاؤن شپ لاہور قاری سعیداللہ جاجوم کے مدرسہ کے حفظ مکمل کرنے والے طلباء کو دستار بندی وانعامات سے نوازا۔

❁ 19 مارچ ناز ٹاؤن ویلینشیا لاہور عبداللطیف (فاضل جامعہ ہٰذا) کے طلباء کی دستار بندی فرمائی۔

❁ 21 مارچ دبئی میں منعقد ہونے والے مسابقہ حفظ مع التجوید میں ججمنٹ کے لیے روانہ ہو گئے ہیں جہاں 68 ممالک کے منتخب حفاظ کرام کے مابین مسابقہ ہوگا جو کہ 13 رمضان المبارک تک جاری رہے گا 15 رمضان ان شاء اللہ واپسی ہوگی۔